

تذوین قرآن

ق - ۱۰۲

مولانا محمد ابرار عظیم مصباح
مدد امی جی

۱۰۳

ادارہ تصنیفات ایام احسان رضا کراچی

(سلسلہ اشاعت نمبر)

تذوین قرآن

قرآن کے جمع و ترتیب کی تاریخ، معوذتین کی قرآنییت،
اختلاف قرآن کی حقیقت اور دوسرے اہم مباحث پر
علمی اور تحقیقی مقالہ

مصنف

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

رکن الجمع الاسلامی۔ مبارکیو

ناش

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا
انوند مسجد کھارادر کراچی

نام کتاب 52500 _____ تدوین قرآن

مصنف _____ مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

پروف ریڈنگ _____ علامہ محمد اعظم سیدی

صفحات _____ ۲۲۴

طباعت _____ مشہور آفست پریس

قیمت _____

تعداد _____ ایک ہزار

ملنے کا پتہ

فون نمبر: ۷۸۵۶۸۰۲۲۶۵۶۸۱

مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ

مبین مسجد، مصلح الدین گارڈن

(کھوڑی گارڈن) کراچی ۲

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی

عرض نامہ

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کو قائم ہوئے ابھی صرف پونے دو سال ہی ہوئے ہیں مگر اس قلیل عمری میں افکارِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں جو کارنامے نمایاں اس ادارے نے انجام دیئے ہیں اتنی سرعت و کثرت اشاعت شاید ہی کسی اور ادارے کے حصے میں آئی ہو گی اس ادارے نے اب تک درج ذیل کتب کو زیور اشاعت سے آراستہ کیا ہے۔

- | | |
|------------------------------------|------------------------------|
| (۱) سیاہ خضاب حرام ہے۔ | از اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ |
| (۲) دعوتِ فکر۔ | از محمد منشا تالبش فاضل قاضی |
| (۳) شریعت و طریقت۔ | از اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ |
| (۴) ارشادات اعلیٰ حضرت۔ | از مولانا عبدالمبین نعمانی |
| (۵) میلاد النبی۔ | از اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ |
| (۶) لیسین شریف۔ | از اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ |
| (۷) فتاویٰ مصطفویہ۔ | از مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ |
| (۸) کنز الایمان المحدث کی نظر میں۔ | از محمد سعید المحدث |
| (۹) فضائل قرآن۔ | از مولانا افتخار احمد مصباحی |
| (۱۰) معالغہ عید۔ | از اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ |

ہماری یہ دلی تمنا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی نادر و نایاب کتب کو دوبارہ زیور اشاعت سے آراستہ کیا جائے اور وہ کتب بھی جو کہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکیں ان کی اشاعت کی جائے اس سلسلے میں ہم اپنے شریک کار اور معاونین کے بھی دل کی گہرائیوں سے ممنون ہیں اور آئندہ بھی ہم ان کے تعاون کے متمنی ہیں۔

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی

تقدیم

علامہ مفتی خالد محمود (سرگودھا)

الحمد لله الذي انزل على عبده الكتب ولم يجعل
له عوجا والصلوة والسلام على حبيبہ محمد
المصطفى خير الوری وعلى آله واصحابہ التقى وعلى من
تبعهم الى يوم الجزاء ما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجیم
بسم الله الرحمن الرحیم

عظیم کائنات کے عظیم خدائے اس عالم رنگ و بو میں اپنی مشیت کے مطابق
نظام کائنات جاری کرنے کے لئے انسان کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے پیدا فرمایا
پھر اس کی آسانی اور سہولت کے لئے ساری کائنات کو اس کا مطیع و منقاد
کیا۔ یہ زمین اور اس کی اتھاہ پہاڑیاں۔ یہ وسیع و عریض سمندر اور اس کی ناپیدا
کنار و سحقیں۔ یہ بلند و بالا پہاڑ اور ان کی بقیعہ راہیں۔ یہ گھنے جنگل اور ان
کی پُراسرار ہیبت۔ یہ مختلف مخلوقات اور اس کے بے شمار فائدے اپنی تمام
تر عظمتوں و رعنائیوں۔ دلکشیوں اور وسعتوں کے ساتھ اپنے جملہ مضممرات
سمیت اس خلیفۃ اللہ حضرت انسان کی فلاح و بہبود، راحت و آرام اور
شکھ چین کے لئے ہیں۔

یہ تمام رفیع المرتبت نعمتیں عطا فرما کر اور ان گنت انعامات سے نواز

کر انسان کو لاوارث نہیں چھوڑا۔ اسے اس کے حال پر لگن نہیں رہنے دیا۔ بلکہ
 اسے انسانیت کے غایت درجہ ارفع مقام تک پہنچانے کے انتظامات کئے۔
 اور اس مقصد کے لئے قریہ بستی بستی انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا
 حیات انسانی کے لئے منشور کے طور پر انہیں اپنی جناب سے کتب اور صحائف
 عطا کئے۔ لیکن یہ صحائف و کتب مخصوص و محدود تھیں۔ اور مرور زمانہ سے اپنی
 اصل اور حقیقی ہیئت بھی کھو بیٹھی تھیں۔ بالآخر دجل و حیم خدا نے حضور اکرم نور
 مجسم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا سنہری تاج پہنا کر تمام
 جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے لئے
 آپ کے قلب اطہر و اقدس پر قرآن مجید فرقان حمید کو نازل فرمایا۔ وہی قرآن
 مجید جو سرچشمہ ہدایت آخری ضابطہ حیات اور ابدی منبع تعلیمات ہے طور
 پر رہتی دنیا تک اپنی تابندہ کرنوں سے عالم انسانیت کے گوشے گوشے کو منور
 کرتا رہے گا۔ وہی فرقان حمید جو عظمت کا مینار عظیم علم و حکمت کا گنجینہ کبیر
 فہم و فراست کا ماہ درخشاں۔ اور عمل و ہدایت کا نیر تاباں ہے جس کا تبار
 خود نازل فرمانے والا عظیم و قدیر اللہ جل جلالہ ان الفاظ میں کرتا ہے
 ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ وہی شان کتاب ہے جس کی حقانیت
 میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اس دور پر فتن میں مسلمانوں کا اپنے دین اور اس کی تعلیمات کے ساتھ برائے
 نام تعلق رہ گیا ہے۔ مغرب پرستی کا تصور جو انگریزی استعماری عہد میں پیدا ہوا تھا۔
 اس کے اثرات ہنوز موجود ہیں چنانچہ ہر مسئلہ میں ہر معاملہ میں مغرب کی تقلید کی
 جاتی ہے حتیٰ کہ اسلام کے مطالعہ کے لئے بھی اپنی متعصب متشرعین کی لکھی ہوئی
 کتابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور انہی کے حوالے سے دین کی بات کی جاتی ہے۔

حالانکہ ان کی کوششیں یہی ہوتی ہیں کہ چند باتیں صحیح کر کے تھوڑا بہت اعتماد پیدا کرنے کے بعد مسلمانوں میں ان کے دین کے بارے میں عقلی شبہات پیدا کئے جائیں۔ اور ان کے اذہان میں راسخ کر دیا جائے کہ یہ دین اصول فطرت کے منافی اور غیر سماوی دین ہے۔ اس طرح مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے کے باوجود اسلام سے کوسوں دور ہوں گے۔ اور دین حنیف سے اپنے اس بُعد کے عالم میں وہ ہمیشہ مخلوب ہی رہیں گے۔ ان کے غلبہ اور ترقی و تعمیر کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا محمد احمد اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے یہی محسوس فرما کر اس دین حنیف کی تحریری و تقریری خدمت کا بیڑہ اٹھایا۔ اور اس میں کوئی قیمتی فروگزاشت نہ کیا۔ ان کی دینی خدمت کو صرف ہندو پاک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں نہایت وقعت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بخود و مکرری حضرت مولانا صاحب کا اس نسل پر یہ احسان عظیم ہے کہ تدوین قرآن کے نام سے ایک بلند پایہ تحقیقی تصنیف فرما کر تدوین قرآن کے بارے میں دشمنان اسلام کے پھیلائے ہوئے باطل نظریات کی نہ صرف قلعی کھول کر رکھ دی بلکہ ساتھ ساتھ ایسے دلائل قاطعہ بھی رقم فرمائے جن سے مسلمانوں کے ایمان و ایقان میں ایک پُرکیف تازگی بلکہ نئی زندگی آجاتی ہے۔

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسوۃ کے اراکین قابل صد مبارک ہیں کہ انہوں نے حضرت محمد احمد اعظمی صاحب کی اس عظیم تصنیف کو پاکستان کے طول و عرض میں پھیلائے کا بیڑہ اٹھا کر مسلمانان پاکستان پر احسان عظیم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مصنف اور اراکین ادارہ کو جزائے خیر سے نوازے ان کی ان مساعی جلیلہ کو مشکور مقبول فرمائے اور جلد اہل اسلام کو اس کتاب کے نفع عمیم سے حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین !

فہرست تدوین قرآن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	عہد عثمانی اور قرآن کی تدوین ثالث	۹	حرف آغاز
		۱۲	نزول قرآن
۸۲	اختلافات لغات	۱۶	حکمت تنزیل
۹۰	تدوین ثالث کے اسباب و محرکات	۲۱	حفاظت قرآن
۹۲	تدوین ثالث کی کیفیت	۲۲	حفظ قرآن کی اہمیت
۹۶	تعداد مصاحف	۲۷	قرآن کے عدم اترا کر کا الزام
۹۷	آیت احزاب	۳۷	چند حفاظ صحابہ کے اسماء
۱۰۷	احراق مصاحف کی روایات	۳۹	قرآن کی کتابت اور تدوین اول
۱۱۰	جواز احراق	۴۳	کاتبان بارگاہ رسالت
۱۱۲	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید	۵۸	کتابت وحی
		۶۱	اشیاء کتابت
۱۱۳	ترتیب آیات و سورت	۶۳	عہد رسالت میں کتابت قرآن کیوں نہ ہوئی؟
۱۱۳	ترتیب آیات تو قیفی ہے	۶۴	ترتیب نزول ترتیب قرأت سے جدا کیوں؟
۱۱۳	نصوص	۶۷	قرآن کی تدوین ثانی اور عہد صدیقی کی قرآنی خدمت
۱۱۷	اجماع		
۱۱۹	سورتوں کی ترتیب بھی تو قیفی ہے	۷۱	تدوین ثانی کے خصائص
۱۱۹	دلائل	۷۳	آخر برائت کی دو آیتیں
۱۳۳	حضرت عثمان کا لقب جامع قرآن کیوں؟	۷۹	کیا تدوین ثانی بدعت ہے؟
۱۳۵	اعراب قرآن		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۴	صحابہ		قرآن کی آیات، سورتوں اور کلمات و
۱۷۵	تابعین	۱۳۷	حروف کی تعداد
۱۷۶	قرأت سبعہ	۱۳۹	فاتحہ الکتاب
۱۷۷	قرأت (ثلاثہ) عشرہ	۱۴۲	معوذتین کی قرآنیت
۱۷۷	قرأت عشرہ کے مختصر حالات		
۱۸۸	ارباب تصنیف	۱۴۴	اقوال علماء
۱۹۰	نقشہ اختلاف قرأت سورہ نور	۱۴۴	قول اول
۱۹۸	فوائد اختلاف	۱۴۴	تائیدات
۲۰۱	قرأت سبعہ پر اقتصار کیوں؟	۱۵۲	قول ثانی
۲۰۴	قرأتوں کا معیار قبول	۱۵۵	قول ثالث
۲۰۵	اقسام قرأت	۱۵۶	قول ثانی و ثالث میں تطبیق
		۱۶۰	قول اول پر تنقید
۲۰۷	شیعہ اور قرآن	۱۶۳	روایات انکار کی تنقیح
		۱۶۵	طریقہ اول
۲۰۷	ان کی باتیں	۱۶۸	طریقہ دوم
۲۰۹	تنقیدی جائزہ	۱۶۹	دعائے خلع و دعائے خفہ
	ایک شیعہ مفسر کا فیصلہ کن بیان		
		۱۷۱	ان دعاؤں کے لکھنے کا سبب
۲۱۹	مآخذ	۱۷۳	اختلاف قرأت
		۱۷۴	آئمہ قرأت

حشر آغاز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

قرآن دین اسلام کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا منبع، دعوت و ارشاد کا مصدر، علم و عرفان کا خزانہ، اور اپنے بے شمار کمالات و محاسن کے ساتھ پوری دنیا سے باطل کے لیے چیلنج ہے۔ اسی لیے جہاں اہل اسلام نے قرآن اور علوم قرآن کی خدمت میں بے مثال کارنامے انجام دیے وہیں اعداء اسلام اور مخالفین قرآن نے بھی اسلافانی کتاب اور انہی نور ہدایت سے کسب فیض دوشد کے بجائے اس کی تنقیص، اس پر بے جا اعتراضات، اور اس کے اندر بے محل شک آفرینی میں اپنی آخری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ مگر زمانہ نزول سے لیکر آج تک اس طرح کی ہر کوشش ناکام ہی رہی اور مخالفین اسلام کے مفسدانہ خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ نہ ہی آئندہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

لیکن آپ ذرا ان کی جسارت تو دیکھیں کسی نے یہ الزام لگایا کہ قرآن و انجیل دونوں کا معاملہ اس لحاظ سے یکساں ہے کہ دونوں کو بعد کے لوگوں نے جمع کیا۔ قرآن بھی عہد رسالت میں یکجا نہ ہوا بلکہ عہد صدیقی میں اس کی تدوین ہوئی۔ کسی نے کہا قرآن عہد رسالت سے بتواتر منقول نہیں کیونکہ زمانہ رسالت میں

کل چار حفاظ تھے جن سے تو اتر نہیں ہو سکتا۔ کسی نے کہا عہد صدیقی میں ایک آیت قید تحریر میں نہ آئی اور عہد عثمانی میں لکھی گئی، اس لیے ممکن ہے کہ عہد عثمانی کی تدوین میں بھی کوئی آیت چھوٹ گئی ہو، کسی نے کہا قرآن سات لغات میں نازل ہوا تھا اب صرف ایک لغت قریش میں ہے لہذا اس کا اکثر حصہ معاذ اللہ ضائع ہو گیا یا کر دیا گیا۔ کسی نے کہا معوذتین کی قرآنیئت اجماعی قطعی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن سے بعض سورتیں حذف کر دی گئی ہیں، بعض مختصر کر دی گئی ہیں، اس لیے اس کا نام و کامل ہونا یقینی نہیں جیسا کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ شیعوں سے کامل قطعی نہیں مانتا۔ کسی نے کہا مصاحف ابی و علی و ابن مسعود کی ترتیبیں موجودہ مصحف سے مختلف تھیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیب اجماعی و یقینی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن میں اب بھی بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ اس کی سات قرار تیں ہیں جن کے درمیان بہت سے الفاظ و حروف کا واضح فرق موجود ہے۔ مخالفین کو یہ اعتراضات آسانی سے نہیں مل گئے بلکہ یہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے انہوں نے پہلے پورے قرآن کا مطالعہ کیا۔ وہاں انہیں ناکامی ہوئی تو حدیث و تاریخ کی کتابیں دیکھیں، مشرقی علوم کھنگالے جب کہیں ان کو ادھر ادھر سے کچھ شوشے گوشے ملے جن کو انہوں نے زبردست اعتراضات بنا کر پیش کیا اور زبانِ قلم کی بھرپور طاقت کے ساتھ پھیلا دیا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اہل باطل اپنے قرآن دشمن عزائم کی تکمیل سے کتنی لگن رکھتے ہیں۔ اور اس مقدس کتاب کا لافانی اعتماد و مجروح کرنے کی خاطر کتنی کوششیں صرف کر رہے ہیں۔

جب کوئی گمراہی زبان و قلم، دولت و حکومت اور پریس کی وسیع قوت کے ساتھ پھیلائی جائے تو اس کا سد باب بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔

اسی لیے اہل باطل کے دیگر الزامات کی طرح قرآن پر بھی جہان کا کوئی الزام
عائد نہ ہوا تو علماء اسلام نے اس کا دندان شکن جواب دیا یہاں تک کہ احمد بن مصطفیٰ
طاشکبری زادہ (م ۹۶۴ھ) نے مفتاح السعاده میں "علم دفع المطاعین عن القرآن" کو
ایک مستقل فن کی حیثیت سے شمار کر دیا ہے۔ جب تدوین قرآن کے موضوع پر مجھے
کام کرنا پڑا تو مذکورہ اعتراضات کے پیش نظر (جن میں کچھ پرانے اور کچھ نئے ہیں)
حفاظت قرآن اور علوم قرآن سے متعلق علماء اسلام کی تحریر کردہ قدیم و جدید کتابوں
کی ضرورت محسوس ہوئی، مگر بد قسمتی سے ان میں سے بیشتر کتابیں میری دسترس سے باہر
رہیں۔ نہ تو میرے پاس کوئی عظیم کتب خانہ ہے جس میں ہر قسم کی قدیم و جدید کتابوں کا
معتد بہ ذخیرہ موجود ہو، نہ اتنا سرمایہ کہ ملک و بیرون ملک کی لائبریریوں میں جا کر
خاطر خواہ استفادہ کر سکوں۔

اس لیے میں نے زیر نظر کتاب کی ترتیب میں زیادہ تر قرآن، تفسیر، حدیث، تہذیب
حدیث اور دوسری کتابوں کو ماخذ بنایا جو اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں خصوصاً علامہ
جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" سے بہت
زیادہ مدد لی کیونکہ یہ بہت سی قدیم تصنیفات کا پتھر، ہزار ہا ہزار صفحات پر بکھری ہوئی نادر
تحقیقات کا خلاصہ، اور بعد کے اکابر علماء کا قابل اعتماد مرجع ہے۔ میں نے تقریباً ہر مقام
پر اپنے ماخذ کا حوالہ دیدیا ہے اور قطعاً اس کی کوشش نہیں کی ہے کہ دوسرے کی تحقیق
اپنی بنا کر پیش کر دوں۔ البتہ میں نے جہاں کوئی اپنی رائے یا تحقیق پیش کی ہے
اسے صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے تاکہ بالفرض اگر کوئی غلطی ہو تو ناقدین کا
ہدف ملامت خود بنوں نہ کہ اسلام کے مقدس علماء۔

اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تدوین قرآن کے موضوع پر میں نے موجودہ دور
کی چار پانچ اردو کتابیں بھی دیکھیں، دو تو بالاسیباب پڑھیں، باقی صرف جستہ جستہ

مقامات سے دیکھ سکا۔ اس میں شبہ نہیں کہ طرز تحریر اور دل نشین اسلوب کے اعتبار سے وہ کامیاب کتابیں ہیں۔ ان میں کچھ نئی معلومات بھی ہیں۔ بہت سی پرانی تحقیقات بھی۔ جن میں سے بعض اپنے انداز میں ڈھال کر اور اپنی بنا کر بھی پیش کی گئی ہیں۔ مگر خاصی مقدار میں غلطیاں اور غلط فہمیاں بھی ہیں۔ جن سے اندازہ ہوا کہ یہ کتابیں یا تو پوری دیدہ وری اور چھان بین سے نہیں لکھی گئی ہیں یا پھر پہلے کسی ایک نے غلطی کی اور بعد والوں نے اس کی تقلید کر لی۔ اگر وہ کتابیں دوران تحریر میرے پیش نظر ہوتیں تو اس کتاب میں حسب موقع ان پر تنقید بھی لکھتا جاتا، تاکہ ان کے مطالعہ سے جو غلط خیالات بعض ذہنوں میں ہوں وہ دور ہو سکیں۔ مگر افسوس کہ میں انہیں حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ پھر اصل مقصود اپنے موضوع کی تکمیل تھی۔ گزشتہ کتابوں پر تنقید ایک ذیلی کام تھا جو ہو جاتا تو بہتر تھا، انہیں ہوا تو اس کے بغیر میرا موضوع تشنہ نہیں کہا جاسکتا۔ پھر استحضار و بصیرت، اور قوت موازنہ و فیصلہ رکھنے والے قاریین میری تنقید کے بغیر بھی مقام صحت و سقم کی تعیین کر سکتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب میں دو باتیں خاص طور سے ملحوظ رکھی ہیں۔

(۱) ابتدائے نزول سے لے کر انتہائے تدوین تک کی پوری کیفیت کا ذکر اور تاریخ تدوین کا تفصیلی بیان تا تبید ربانی کے تحت حفاظت قرآن اور تدوین قرآن کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مساعی جمیلہ اور ان کے عظیم حزم و احتیاط کا تذکرہ تاکہ باسانی اس بات کا راسخ یقین ہو سکے کہ بلاشبہ قرآن حکیم حذف و اضافہ اور تغیر و تبدل سے محفوظ، شکوک و شبہات سے بالاتر اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ بالکل قلعی و یقینی ہے۔

(۲) مخالفین اسلام کے الزامات کا پوری متانت و سنجیدگی کے ساتھ تحقیقی جواب۔

جواب کے لیے میں نے کوئی باضابطہ سرفنی یا خاص اسلوب اختیار نہیں کیا ہے بلکہ اسے قاریین کے فہم پر چھوڑ رکھا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کتاب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کا تحقیقی جواب دیا گیا ہے۔

ان ہی دو باتوں کے ذیل میں بہت سے علمی و تاریخی افادات کو بھی جگہ دی گئی ہے، اشاعتِ علم تو اپنا خاص مشن ہی ہے۔ میں اپنے مقصد اور موضوع کی تکمیل میں کہاں تک کامیاب رہا، اگرچہ مجھے یک گونہ اطمینان ہے مگر اس کا فیصلہ بالغ نظر حق گو انصاف پسند اور کشادہ دل ناقدین کے ہاتھوں ہے۔

میں اپنی اس قلمی کاوش میں خاص طور سے اپنے احباب گرامی مولانا عبدالمبین نعمانی مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا السین اختر اعظمی ارکان الجمع الاسلامی کا شکر گزار ہوں جن کی تحریک، اصرار، اور تعاون سے یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ ان اساتذہ اور ولیدین کا بھی، جن کا احسانِ تعلیم و تربیت میری ہر دینی و علمی خدمت کا سنگِ بنیاد ہے۔ ان اشخاص اور کتب خانوں کا بھی، جن کے ذریعہ مجھے کوئی کتاب حاصل ہوئی۔ ان رفقاء اور طلبہ کا بھی جو اس کتاب کی نقل و تبیض، تصحیح، طباعت، اشاعت وغیرہ بہت سے کاموں میں میرے معاون و مددگار ہوئے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اور ہر ایک کو میری نظر میں کوئی خصوصیت حاصل ہے، قلت صفحات کے باعث ان کے نام شامل نہ ہو سکے، اور درحقیقت ان کے اخلاص و عمل کا جو اجر خداوند کریم کے یہاں ہے وہ میرے ذکر و شکر سے کہیں زیادہ عظیم و جلیل ہے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔ سب کو اپنے بے پایاں فضل و کرم سے نوازے اور حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔ و افضل الصلوٰۃ و اکرم التحیۃ علی حبیبہ خیر البریۃ و علی آلہ و صحبہ و اولیاء امتہ و علماء ملتہ و شہداء و محبہ و اولی الفضل و الفیض و النفوس الزکیہ و الخصال النقیہ۔

محمد احمد الاعظمی المصباحی

فیضان العلوم - جمہ - ۱۹۸۰/۳/۲۱
المجمع الاسلامی - مبارکپور - ضلع اعظم گڑھ - ہند

نزول قرآن | جمہور مفسرین اور تمام ارباب تحقیق اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن کریم ماہ رمضان اور شب قدر میں یکبارگی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔ اسی کی تابعدار قرآن مجید اور صریح و مسیحح احادیث سے ہوتی ہے قرآن خود بیان فرماتا ہے۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (بقرہ پ ۷ ع ۷)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔

انا انزلناہ فی لیلة القدر (قدر پ ۱ ع ۱)

بلاشبہ ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا۔

مسند امام احمد اور شعب الایمان یہی سنی میں واثلہ بن اسقع سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انزلت التوراة لست

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: توریت

مضین من رمضان والانیل

کا نزول ۴ رمضان کو اور انجیل کا

لثلاث عشرة خلت منه والزبور

۱۳ رمضان کو اور زبور کا

لثانی عشرة خلت منه والقرآن

۱۸ کو اور قرآن کا ۲۴

الرابع وعشرون خلت من

رمضان کو ہوا۔ یہ بھی ترجمہ

شہر رمضان۔

ہو سکتا ہے کہ ۲۴ گزر کر

فتح ابیاری لابن حجر العسقلانی ص ۳ ج ۱

پچیسویں شب کو نزول

قرآن ہوا۔

ابو عبد اللہ حاکم، مستدرک میں بطریق منصور عن سعید بن جبیر، حضرت عبد اللہ بن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

انزل القرآن جملة واحدة

شب قدر میں قرآن کریم یکبارگی

فی لیلة القدر الى السماء

آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا

الدنيا وكان بموقع النجوم

اور ستاروں کے غروب کی جگہ

وكان الله ينزل على رسول الله
صلى الله تعالى عليه وسلم بعضه
في اشربعض (متدرک حاکم ج ۲ ص ۲۲۲)
۴۔ پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یکے بعد دیگرے تھوڑا
تھوڑا نازل فرماتا رہا۔

یہ حدیث امام بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔ (التقان ص ۳۹ ج ۱)

حضرت ابن عباس ہی سے بطریق داؤد بن ہند، عکرمہ راوی ہیں۔

قال انزل القرآن جملة واحدة
الى السماء الدنيا في ليلة القدر
ثم انزل بعد ذلك بعشرين سنة.
(متدرک ج ۲ ص ۲۲۲ نسائی بیہقی کما فی الفتح ج ۹
فرمایا۔ قرآن یک بارگی شب قدر
میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔ پھر
اس کے بعد بیس برس تک نازل
ہوتا رہا۔)

ص ۳ والتقان ج ۱ ص ۴)

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتداء چالیس سال کی عمر میں ہوئی۔ اس کے
ساتھ جیسا حدیث کو ملا لیں کہ بعد بعثت بیس سال رہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بھی ہے
لبث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمكة عشر سنين، ينزل عليه القرآن وبالمدينة
عشر سنين۔ تو عمر شریف کل ساٹھ برس ہوتی ہے مگر دوسری روایات سے ثابت ہے کہ حضور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مقدس تریسٹھ سال ہوئی۔ لہذا تطبیق کے لیے یہ کہا جائے گا کہ روای
نے تیرہ کئے بجائے دس بیان کیا اور کسر چھوڑ دی اس طرح بعض روایات نے صرف ساٹھ بیان
کیا اور کسر چھوڑ دی۔ کسر چھوڑنے کا قطعی فیصلہ اس لیے ہے کہ جن لوگوں نے ساٹھ یا تریسٹھ
سے زیادہ کی روایت کی ہے خود ان ہی لوگوں سے تریسٹھ کی روایت آئی ہے۔ اس
لیے معتد یہی ہے کہ عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی۔ جن روایات میں کم کا ذکر ہے ان
میں کسر ترک کر دی گئی جن میں زیادہ کا ذکر ہے ان میں مہینوں کی کسر پوری کر کے
پورا سال شمار کر لیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳)

ایک دوسری روایت میں ہے۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔ انہوں نے
فرمایا، قرآن ذکر سے جدا کر کے آسمان
دنیا میں بیت عزت کے اندر
رکھا رہا۔ پھر جبریل اسے
لے کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
پاس آئے۔ اور کھڑے کھڑے
کمر پڑھتے رہے۔

عن سعید بن جبیر عن ابن
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
قال فصل القرآن من الذكر
فوضع فی بیت العزت فی السماء
الدنیا فجعل جبریل ینزلہ
علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم ویقرئہ قرئتہ۔

(متدرک ج ۲ ص ۲۲۳۔ ابن ابی شیبہ بحوالہ اتقان
وج ۱ ص ۲ وفتح الباری ج ۹ ص ۳)

ان تمام حدیثوں کی سندیں صحیح ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارشاد۔ ماہ
رمضان جس میں قرآن اتارا گیا، اور
اس کے فرمان "بے شک ہم نے اسے
شب قدر میں اتارا" کے مطابق ہے۔
ہو سکتا ہے اس سال شب قدر
وہی رات رہی ہو تو اس میں
پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف
اتارا گیا۔

وهذا کلمہ مطابق لقولہ تعالیٰ
شہر رمضان الذی انزل فیہ
القرآن ولقولہ تعالیٰ: انا انزل
لناہ فی لیلۃ القدر فیحتمل
ان تكون لیلۃ القدر فی
تلك السنة تلك اللیلۃ فانزل
فیہا جملة الی السماء الدنیا
(فتح الباری ج ۹ ص ۳)

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن لوح محفوظ
سے یکبارگی، رمضان کے مہینے، قدر کی رات میں آسمان

حکمت تنزیل

لے تنزیل۔ بار بار کر کے اتارنا، انزال۔ یکبارگی اتارنا۔ ۱۲

دنیا کی طرف اتارا گیا۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا تیس سال کی مدت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اس طریقہ تنزیل کی حکمت خود قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔

وقال الذين كفروا لو انزل عليه القرآن جملة واحدة كذلك لنثبت به فؤادك ورتلناه تنزيلا ولا يا تو لك بمثل الاجتناك بالحق واحسن تفسيراً (فرقان پ ۱۹ ع ۱)

کافر بولے۔ ان پر قرآن ایک ساتھ کیوں نہ اترا۔ ہم نے یوں ہی بتدریج اسے اتارا ہے تاکہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور وہ کوئی کہادت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

وقرآن فرقناه لتقرأه على الناس على مكث ونزلناه تنزيلا (بنی اسرائیل پ ۱۳ ع ۱۲)

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا تاکہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اور ہم نے اسے بتدریج رہ لے کر اتارا۔

حضرت عکرمہ سے حاکم، نسائی اور بیہقی کی جو روایت گذری اس کے آخر میں ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہ الفاظ مزید روایت کئے ہیں۔

فكان المشركون اذا حدثوا شيئا حدث الله لهم جواباً۔

تو مشرکین جب کوئی نئی بات نکالتے اللہ تعالیٰ ان کا جواب ظاہر فرماتا۔

(التقان ج ۱ ص ۳)

المرشد الوحيد فيما يتعلق بالقرآن العزيز میرے ابو شامہ بیان فرماتے ہیں۔

السرفی انزالہ جملة الى السماء
تفخیم امرہ و امر من
نزل علیہ و ذلک باعلام
سکات السموات السبع
ان هذا اخر الكتب
المنزلة على خاتم الرسل
لا شرف الا م قد قربنا
اليهم لننزلهم عليهم
ولولا ان الحكمة الالهية
اقتضت وصوله اليهم منجما
بحسب القائل لهبط به الى
الارض جملة كما نزل الكتب
المنزلة قبله ولكن
الله باين بينه و
بينها فجعل له
الامرین انزاله
جملة ثم انزاله مفرقا
تشریفاً للمنزل علیہ۔
(التقان ج ۱ ص ۱۶)

مزید فرماتے ہیں۔

فان الرحي اذا كان يتجدد في كل

اسے یک بارگی آسمان کی طرف
نازل فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ قرآن
اور اس ذات کی عظمت کا اظہار ہو جس
پر قرآن نازل ہوا۔ وہ اس طرح کہ ساتوں
آسمانوں کے رہنے والوں کو پہلے ہی خبردار
کر دیا جائے کہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری
پیغمبر پر سب سے بہتر امت کے لئے نازل
ہونے والی ہے ہم نے اسے ان کے قریب
کر دیا ہے تاکہ ان پر اسے بتدریج نازل
فرمائیں۔ اور اگر حکمت الہیہ کا
تقاضا یہ نہ ہوتا کہ بلحاظ واقعات
حوادث تھوڑی تھوڑی ان تک
پہنچے تو اس سے پہلے نازل شدہ
دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی یک بارگی
اتاری جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے
اس احسنی کتاب اور دوسری
آسمان کتابوں کا معاملہ جدا رکھا اسے دونوں
طرز بنائے یک بارگی نزول پھر جدا جدا نزول۔ تاکہ
اس ذات کا شرف نمایاں ہو جس پر اس کا نزول ہوا۔

کیونکہ ہر واقعہ میں جبے جی کا نازہ نزول ہوتا

حادثۃ کان اقوی بالقلب
 واشد عناية بالمرسل الیه
 ویستلزم ذلك کثرة نزول
 الملك الیه وتجدد العهد
 به، وبما معه من الرسالة
 الواردة من ذلك
 الجناب العزیز، یحدث له
 السرور ما تقصر عنه العبارة
 ولهذا کان اجود
 ما یكون فی رمضان
 لكثرة لقاء جبریل۔
 (ایضا)

رہے گا تو قلب مبارک کی زیادہ
 تقویت کا سبب، اور مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کی ذات گرامی کے ساتھ ربانی عنایت و
 اہتمام مزید کا ظہور ہوگا۔ جس کے نتیجے
 میں لازمی طور پر ان کے پاس فرشتے کا نزول
 زیادہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ان کا تعلق باز ہوتا
 رہے گا۔ اسی طرح اس پیغام کے ساتھ بھی۔
 جو برگاہ عزیز سے آرہا ہے۔ پھر اس سے
 وہ کیف و سرور پیدا ہوگا جس کے بیان سے
 عبارت قاصر ہے۔ جبھی تو جناب
 رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کی شان سخاوت و گیرایام سے
 زیادہ نمایاں رمضان میں ہوتی
 کیونکہ فرشتہ یزدانی جبریل امین
 سے ملاقات زیادہ ہوتی۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن مہوڑا مہوڑا نازل فرمانے میں چند حکمتیں تھیں۔
 (۱) مہبط وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تسکین و تقویت کا سبب ہو۔
 اور کفار و مشرکین کی اذیتوں کے مقابلہ میں لطف کریم سے تسلی ملتی رہے۔ اور انہیں ہر
 اذیت پر خدا کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی رہے۔

(۲) کبھی یہاں کہ بار رسالت اٹھانے والوں کو ہمیشہ ان سختیوں سے دوچار ہونا
 پڑا ہے۔ انہوں نے صبر سے کام لیا۔ تم بھی صبر سے کام لو۔

اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے
تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے پر۔

وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ
فَصَبِرْ عَلَىٰ مَا كَذَّبُوا

(انعام ۴۷)

تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں
نے صبر کیا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا لِرُسُلِ الْعِزْمِ مِنْ
الرُّسُلِ (احقاف ۲۷)

اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبر
سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔

وَمَا نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ
مَا نَبِّئْتَهُمْ فَوَادِّكَ (ہود ۱۰۶)

(ب) کبھی یوں کہ ان کو بھی صبر کا حکم دیا جاتا رہا ہے۔

اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے
رہو بیشک تم ہماری نگاہ داشت میں ہو۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا
(طور ۲۷)

(ج) کبھی یوں کہ رسولوں کو ہمیشہ فتح و نصرت ملتی رہی تمہیں بھی غلبہ اور فتح ہی حاصل ہوگی

اور بے شک ہمارا کلام گزر چکا ہے ہمارے

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِمَادَنَا

نیچے ہوئے بندوں کے لئے کہ بے شک

الرُّسُلِينَ أَلْهَمْنَاهُمْ

ان ہی کی مدد ہوگی۔ اور بے شک

الْمَنْصُورُونَ. وَإِنْ جُنَدْنَاهُمْ

ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا۔

الْغَالِبُونَ. (صافات ۹۰)

(د) کبھی یوں کہ پہلے ہی بتا دیا جاتا کہ تمہارے اعدا کو شکست ہوگی۔ وہ غائب و خاسر ہونگے۔

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت

مِیْمِزَمِ الْجَمْعِ دِیُولُونَ الدِّبْرِ

اور وہ پیٹھیں پھیر دیں گے۔

(تہ ۱۰۶)

فرما دو کافروں سے کوئی

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

دم جاتا ہے تم مغلوب ہو گے

اسْتَغْلِبُونَ وَتَحْشَرُونَ

اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے

إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ

(آل عمران پے ۱۰ ع) اور وہ بہت ہی برا بکھوتا۔

(۲) بار بار نزول سے خدا کے اعزاز اور عنایات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ وصول آیات اور فرشتہ برزوانی کی ملاقات سے بے پایاں مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا رہا ہے۔

(۴) واقعات و حوادث کے مطابق نزول اور ان پر تبلیغ ہوتی رہا ہے۔

(۵) احکام شرعیہ کا نفاذ بتدریج ہو۔ تاکہ امت پر گراں نہ ہو۔

(۶) قرآن کا حفظ، قرآن کا فہم و اخذ امت پر سہل ہو۔

(۷) اس بات کی رہنمائی بار بار ہوتی رہی ہے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ہے جس کی طرف سے تنزیل ہوا کرتی ہے۔

تنزیل من حکیم حمید۔ (حم سجدہ پے ۱۹۶) اتارا ہوا ہے حکمت والے ستودہ صفات کا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو آیات اتریں انہیں بڑے اہتمام سے خود یاد کرتے۔ پھر صحابہ کو

سناتے۔ حفظ کی کوشش یہاں تک تھی کہ درمیان نزول۔ قرات جبریل کے ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جانتے کہ کہیں یاد ہونے سے رہ نہ جائیں۔ نزول

قرآن کا باریوں ہی سے پناہ گراں۔ لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لראیتہ

خاشعاً متصدعاً من خشية الله۔ (حشر پے ۶۶) اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر

اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا۔ پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے اس پر

یہ مشقت اور ہی گراں۔ اس کریم و رحیم کو جسے محبوب کے احوال کا بڑا ہی لحاظ

تھا۔ یہ مشقت مزید گوارا نہ ہوں۔ فرمایا۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ

ان علینا جمعہ وقرآنہ
(قیامہ ۲۹، ۱۷۶)

اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بے شک اس کا
محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

مگر یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس جمع ربانی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے حفاظت قرآن کا وہ بے مثال انتظام فرمایا۔ کہ عہد اکرم ہی میں قرآن کریم کے نیناغ
اور تحریف و تبدیل کا خوف جاتا رہا۔ ایک طرف تو صحابہ کرام کو حفظ قرآن کی ترغیب
دی دوسری طرف عرب کی بے نظیر قوت حافظہ کے باوجود، کتابت قرآن کا اہتمام فرمایا
یہی وہ دواہم انتظام ہیں جنہیں باعتبار ظاہر حفاظت قرآن کی "اساس" قرار دیا جاسکتا
ہے۔

اب یہاں ہم ایسی چند احادیث ذکر
کریں گے جن سے اندازہ ہوگا کہ عہد

حفظ قرآن کی اہمیت

رسالت میں حفظ قرآن کی اہمیت کیا تھی؟ اور ہمیں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان سب اقدامات کے باوجود ممکن نہیں کہ صحابہ کی خیر و
کمال میں جذبہ سبقت و مسابقت رکھنے والی غلیم و کثیر جماعت میں پورے قرآن کے
حافظ صرف چار رہے ہوں۔

(۱) سرکار نے قرآن سیکھنے، سکھانے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی متعدد صحابہ کرام
سے مروی ہے کہ حضور نے انہیں کوئی سورۃ یا آیت بڑے اہتمام سے سکھائی۔ اور
یہ تو عام ارشاد تھا۔

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔
(مسند احمد ج ۱، بخاری ص ۴۵۲، ابوداؤد ص ۲۲۹، ترمذی ص ۱۱۵، ابن ماجہ ص ۱۹)
نسائی، الترغیب والترہیب ص ۵۷۵ (۲)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا کہ حافظ قرآن کا درجہ بہت بلند

52500

اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول الله
صلى الله تعالى عليه وسلم، الماهر
بالقرآن مع السفرة الكرام
البررة والذي يقرأ القرآن
ويستغفر فيه وهو عليه
شاق له اجران۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قرآن کا
ماہر نیک سرشت "کراما کا تبین" کے ساتھ
ہوگا۔ اور جو شخص تہلاتے ہوئے قرآن
پڑھتا ہے اور قرأت اس پر دشوار ہوتی ہے
اس کے لیے دو ثواب ہیں۔

(بخاری ص ۱۱۲ ج ۲، مسلم ص ۲۶۹ ج ۱، ابوداؤد ص ۲۲۹ ج ۱، ترمذی ص ۱۱۲ ج ۲، ابن ماجہ
ن ۱، الترغیب والترہیب ص ۵۴۲ ج ۲)
امام بوزکریا نووی فرماتے ہیں۔

والماهر الحاذق الكامل الحفظ
الذي لا يتوقف ولا يشق عليه
القراءة لجودة حفظه واتقانه
(المنهاج شرح مسلم للنووي ج ۱ ص ۲۶۹)

ماہر وہ تجربہ کار، مکمل یادداشت والا شخص
ہے جس کو حفظ کی عمدگی اور یاد کی پختگی کے
باعث نہ تو رک رک کے پڑھنا پڑتا ہے نہ ہی
اُسے قرأت میں کوئی دشواری ہوتی ہے۔

حضرت علی ابن ابوطالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم من قراء القرآن فاستظهر
فاحل حلاله وحرم حرامه
ادخله الله الجنة وشفعه
في عشرة من اهل بيته كلهم
قد وجبت لهم النار۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فرمایا جس نے قرآن پڑھ کے اسے زبانی
یا دکر لیا۔ پھر اس کے حلال کو حلال حرام کو
حرام ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اس
عمل کے سبب جنت میں داخل فرمائے گا
اور اس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے

مسند احمد ۲۱۲ ترمذی ص ۱۱۴ ابن
ماجرہ ۱۹ (دارمی)

بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا
جن میں ہر ایک پر دو زرخ واجب و
ثابت ہو چکی ہوگی۔

ابن مندہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں۔

قال رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم اذا مات حامل
القرآن اوحى الله الى الارض
ان لا تأكل لحمه، فتقول اى
رب كيف اكل لحمه وكلامك
فى جوفه۔ قال ابن مندہ
وفى الباب ابو هريرة وعبد الله
بن مسعود۔ (شرح الصدور فى
احوال المرتضى والقبور لجلال الدين السيوطى ص ۱۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ جب حامل قرآن مرتا ہے خدائے
تعالیٰ زمین کو حکم فرماتا ہے کہ اس کا
گوشت نہ کھانا عزم کرتی ہے۔ پروردگار
بھلا میں اس کا گوشت کیونکر کھاؤں گی
جبکہ اس کے سینے میں تیرا مقدس کلام محفوظ
ہے۔ ابن مندہ نے کہا۔ اس باب میں ابو ہریرہ
اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
بھی روایت ہے۔

حضرت علی ابن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ادبر اولادکم على ثلاث
خصال۔ حب نبيكم
وحب اهل بيته وقراءة
القرآن۔ فان حمله
القرآن فى ظل الله
يوم لا ظل الا ظله

اپنی اولاد کو تین باتوں کا ادب
دو (۱) محبت رسول (۲)
حب اہل بیت (۳) قرأت
قرآن۔ کیوں کہ حفاظ قرآن
انبیاء و اصفیاء کے ساتھ خدا
کے سایہ کرم میں اس دن

مع انبیاءہ واصفیائہ ہوں گے جس دن اس کے سایہ کرم
(ویلی مختار لا حدیث معری ص ۱۷۱ کنز العمال) کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کی بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ قرآن یاد ہو جانے کے بعد بھولنے نہ پائے۔ اور بھلانے والے کے لیے سخت وعیدیں بیان فرمائیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعاہدوا القرآن فوالذی نفسی بیدہ لم ہواشد تفصیامن الابل فی عقلہا۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن کی حفاظت و پابندی کرو۔ کہ اس ذات کی قسم کہ جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ یہ رسیوں میں بندھے اونٹوں سے

بھی زیادہ چھوٹ کر نکل جائیو والا ہے (بخاری ص ۲۵۳ ج ۲ - مسلم ص ۲۶۸ ج ۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

استذکروا القرآن فانہ اشد تفصیامن صدور الدجال من النغمۃ
قرآن یاد کیا کرو۔ کہ رسیوں سے اونٹوں کے چھوٹ نکلنے کی بہ نسبت وہ آدمیوں کے سینوں سے نکل کر جدا ہونے میں زیادہ تیز ہے۔ (بخاری ص ۵۶۲ ج ۱ - مسلم ص ۱۶۷ ج ۱) و زاد مسلم "بعقلہا" "لانی" ج ۱ ص ۱۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما مثل صاحب القرآن کمثل صاحب الابل المعقلۃ۔ ان عاہد قرآن یاد رکھنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو رسیوں میں بندھے اونٹ رکھتا

علیہما وسلم وان اطلقہما ذہبت
(بخاری ص ۵۲، مسلم ص ۲۶۷، نسائی ص ۱۱۲)
ہو۔ اگر ان کی دیکھ بھال کرے تو روک
سکے، اور اگر چھوڑ دے تو نکل بھاگیں۔
(۴) عہد رسالت میں امامت کے لئے اسی کو ترجیح حاصل ہوتی جو زیادہ قرآن کا حافظ
ہو۔ وہی اس زمانے میں زیادہ علم والا بھی ہوتا۔
حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم یؤمر القوم اقرأہم
لکتاب اللہ (مسلم ص ۲۳۶، نسائی ص ۸۹)
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں فرماتے ہیں۔
والا ظہران معناه اکثرہم
قراءة۔ بمعنی۔ احفظہم
للقرآن۔ کما ورد: اکثرکم
قرآن۔ (ج ۳ ص ۸۸)

حضرت ابوسعید سے روایت ہے۔ سرکارِ ارشاد فرماتے ہیں۔
احقہم بالامامة اقرأہم
(مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)
لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ
حق دار وہ ہے جو زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو
(۵) ضرورتاً ایک قبر میں چند آدمی دفن کئے جاتے تو جانب قبلہ مقدم وہی رکھا
جاتا جو دوسروں پر حفظ قرآن میں فائق ہوتا۔
حضرت ہشام ابن عامر سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
قال یوم احدا حفرنا، وادسعوا
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
جنگ اُحد کے دن فرمایا۔ قبر کھودو۔

اعمقوا، واحسنوا، وادفئوا
 الاثنین والثلثة فی
 قبر واحد، وقد هو اکثر
 هم قرائه (احمد، ترمذی ص ۱۶۲)
 کثادہ، گہری، اور عمدہ کھودو۔ اور
 ایک قبر میں دو تین آدمیوں کو دفن
 کرو۔ اور آگے اسے رکھو جو زیادہ
 قرآن والا ہو۔

(ابوداؤد ص ۲۶۸، نسائی ص ۱۶۲، ابن ماجہ ص ۱۱۱، بعضہ و بعضہ عن جابر بن عبد اللہ - بخاری نحوہ عن جابر ص ۱۷۹)
 (۶) نماز میں کچھ قرآن پڑھنا فرض۔ سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ یا کم از کم
 تین چھوٹی آیتوں کی قرأت نماز کی ہر رکعت میں واجب ہونی (دفعہ کی صرف تیسری
 اور چوتھی رکعت اس حکم سے مستثنیٰ ہے) جس کے باعث ہر مسلمان کچھ نہ کچھ قرآن
 ضرور یاد رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الذی لیس فی خوفہ شیء من
 القرآن کالیت الحرب (ترمذی ص ۱۱۵)
 وہ شخص جس کے سینے میں قرآن کا کوئی
 حصہ نہیں۔ ویران گھر کی طرح ہے۔
 حاکم داری، وقال الترمذی ہذا حدیث صحیح،

ان ارشادات اور اس اہتمام عظیم کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ جزوی قرآن کے
 حافظوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں، پورے قرآن کے حافظوں کی تعداد اس حد کو پہنچ
 گئی کہ سریرہ پر معونہ میں (جو عہد رسالت ہی میں پیش آیا) ستر حفاظ قرآن شہید ہوئے (بخاری
 ص ۵۸۶) یقیناً ان کی شہادت کے بعد بھی حفاظ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ جبھی تو وصال
 سید عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذرا بعد اللہ ہی میں پیش آنے والی جنگ یمامہ میں
 حافظ شہدا کی تعداد سات سو تک آئی ہے۔

قرآن کے عدم تواتر کا الزام | مگر اسے کیا کیجئے گا کہ ان سب کے باوجود
 مخالفین اسلام کا الزام یہ ہے کہ عہد رسالت
 میں صرف چار حافظ تھے۔ زمانہ مابعد میں ان ہی چار سے قرآن منقول ہوا۔ لہذا عہد

رسالت سے تواتر کے ساتھ قرآن منقول نہ ہوا۔ کیونکہ صرف چار کی تعداد سے تواتر نہیں ہو سکتا۔

ان کے شبہہ کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پر ہے۔

عن قتادة قال سمعت انس
جمع القرآن على عهد رسول الله
صلى الله تعالى عليه وسلم اربعة
كلهم من الانصار - معاذ بن
جبل وابي بن كعب وزيد بن ثابت
وابوزيد - (بخاری ج ۲ - ص ۴۸)

قتادہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت
انس سے سنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے زمانے میں چار آدمیوں
نے قرآن یاد کیا۔ یہ سب انصاری تھے
معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب، زید
بن ثابت، ابو زید۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ما ت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
ولم يجمع القرآن غير
اربعة، ابوالدرداء ومعاذ بن
جبل وزيد بن ثابت
وابوزيد (بخاری ج ۲ - ص ۴۸)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال
اس وقت ہوا کہ صرف ان چار
آدمیوں نے قرآن حفظ کیا تھا۔ ابو
الدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت
اور ابو زید۔

لیکن دوسری روایات و احادیث سے عہد رسالت میں بکثرت حفاظ کا وجود
صراحتاً ثابت ہے۔ لہذا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے یہ استدلال
ہرگز صحیح نہیں کہ واقعہ عہد رسالت میں صرف چار حفاظ تھے۔

امام مازری فرماتے ہیں۔

لا يلزم من قول انس -
"لم يجمع غيرهم" ان يكون
حضرت انس نے فرمایا ان کے
علاوہ نے حفظ نہ کیا۔ اس سے یہ

الواقع في نفس الامر
كذلك لان التقدير
انه لا يعلم ان سواهم
جمعه، والا فكيف الا
حاطة بذلك مع
كثرة الصحابة وتفرقهم
في البلاد. وهذا الا يتم الا ان
كان لقي كل واحد
منهم على انفراد و
اخبره عن نفسه انه
لم يكمل له جمع في عهد
النبي صلى الله تعالى عليه
وسلم وهذا في غاية
البعد في العادة. واذا
كان المرحوم الى
ما في علمه لم يلزم ان
يكون الوا
تم كذا لك

(التقان ج ۱ ص ۱)

لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں بھی ایسا
ہی ہو۔ اس لئے کہ ہم یہ مانتے ہیں
کہ انہیں ان چار کے سوا دوسرے
حضرات کے حفظ کا علم نہ تھا۔ اگر
یہ نہ مانا جائے تو بھلا بتائیے سارے
حفاظ کا احاطہ و شمار انہوں نے کیسے
کیا ہوگا؟ جب کہ صحابہ بہت زیادہ
تھے۔ اور یک جا نہیں بلکہ مختلف
شہروں میں منتشر تھے۔ سب کا احاطہ
و شمار جیسی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے
الگ الگ سب سے ملاقات کی ہو۔
اور ہر ایک نے انہیں اپنے بارے میں
باخبر کیا ہو کہ اس نے عہد نبوت میں
تکمیل حفظہ کی اور عادت ایسی تغیش
و تحقیق انتہائی بعید ہے۔ نتیجہ یہی
کہنا ہوگا کہ انہوں نے محض اپنے
علم و اطلاع کے لحاظ سے کہا ہے
تو فی الواقع بھی ویسا ہی ہونا ضروری
نہیں۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کے متعدد جوابات دیتے ہوئے ایک جواب
یہ بھی ذکر فرمایا ہے۔

السادس۔ المراد بالجمع
الكتابة، فلا ينفى ان يكون
غيرهم جمعه حفظاً عن
ظهير قلبه، واما هؤلاء فجمعوه
كتابة وحفظوه عن ظهير قلب
(فتح الباری ج ۹ - اتقان ص ۱۱)

جواب ششم یہ ہے کہ حضرت انس
کے قول میں "جمع" کے لفظ سے کتابت
مراد ہو کہ صرف ان چار حضرات نے
پورا قرآن لکھا اور یاد کیا یہ دوسرے
حضرات کے حفظ کرنے کے معانی
نہیں

علامہ ابن حجر ان جوابات کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔
وفي غالب هذه الاحتمالات تكلف

علامہ موصوف ایک حدیث ذکر فرماتے ہیں۔ اور اس کی روشنی میں یہ واضح
کرتے ہیں کہ حضرت انس کا قول صرف ایک قبیلے کے مقابلہ میں ہے۔ تمام صحابہ کرام
کے مقابلہ میں نہیں۔ حدیث یہ ہے۔

عن انس قال انتخروا الحيان
الاوس والخزرج فقتل
الاوس منا اربعة - من
اهتزله العرش سعد بن
معاذ، ومن عدلت
شهادته شهادة
رجلين خزيمه
بن ابي ثابت، ومن
غسلته الملائكة

حضرت انس سے مروی ہے کہ
اوس و خزرج نامی انصار کے
دونوں قبیلوں نے باہم مفاخرت
کی اوس نے کہا ہم میں چار آدمی
ایسے ہیں جیسے تم میں نہیں (۱)
سعد بن معاذ۔ جن کی روح کے
استقبال میں عرش جھوم اٹھا (۲)
خزیمہ بن ابی ثابت۔ جن کی شہادت
دو مردوں کی گواہی کے برابر

حفظہ بن ابی
عامر ومن
حمته الدبر
عاصم بن ابی ثابت
(ای ابن ابی الفتح) فقال
الخزرج متاربعة
جمعوا القرآن لم
يجمعه غيرهم
نذكرهم۔

(فتح الباری ج ۹)

قرار دی گئی (۳) حفظہ بن ابی عامر
جنہیں بعد شہادت فرشتوں نے
غسل دیا۔ (۴) عاصم بن ابی ثابت۔
بعد شہادت جن کی نعل مبارک
کفار کی بے حسرتی سے شہد کی
مکھیوں کے ذریعہ محفوظ رکھی گئی۔
اس پر خزرج نے کہا۔ ہم میں چار
آدمی ایسے ہیں جنہوں نے پورا قرآن
یاد کیا، اور دوسروں نے نہ کیا پھر
ان کے نام گناٹے۔

جب قبیلہ خزرج کی طرف سے قبیلہ اوس کے مقابلہ میں یہ بات کہی گئی ت
تو اس کا معنی واضح ہے، اب حضرت انس کے قول کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم
خزرج میں چار حفاظ ہیں۔ اور اوس میں کوئی حافظ نہیں۔ اس سے ہرگز بہ لازم
نہیں آتا کہ دوسرے قبیلوں اور مہاجرین میں بھی حفاظ قرآن نہ ہوں۔

علاوہ ازیں علامہ نووی فرماتے ہیں یہ حصر کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے جب کہ
ان میں خلفاء اربعہ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور دوسرے صحابہ کبار رضوان اللہ
تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر ہی نہیں۔ جن سے بالکل بعید ہے کہ انہوں نے حفظ قرآن
جیسی اہم فضیلت نہ حاصل کی ہو۔ جب کہ اس سے کم درجہ کی طاعات و عبادات
میں ان کی حرص و رغبت معروف و ممتاز ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۹۴)
ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں۔ بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرکار کی زندگی ہی میں قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی۔ جس میں قرآن پڑھا کرتے یعنی اس وقت تک جتنا نازل ہو چکا ہوتا پڑھتے رہتے۔ مزید فرماتے ہیں۔ ان کے حافظ ہونے میں تو ذرا بھی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کیونکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن سیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ اور اس سے ان کے لئے کوئی مانع بھی نہ تھا۔ بلکہ وہ اس کام کے لئے فارغ البال تھے انہیں ہمیشہ اس کی سہولت بھی تھی۔ مدینہ اور سفر ہجرت کے علاوہ مکہ میں بھی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر روزانہ صبح و شام تشریف لاتے۔ علاوہ انہیں حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”لوگوں کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قرآن یاد رکھنے والا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض و وفات میں حضرت صدیق کو امامت کے لئے آگے بڑھایا۔ اگر ان سے زیادہ کوئی حافظ ہوتا تو اس پر انہیں بھلا کیسے مقدم کرتے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ قرآن کے حافظ تھے۔

(فتح الباری ج ۹)

طبقات ابن سعد، مستدرک حاکم، اور کتاب ابن ابی داؤد میں محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے۔

جمع القرآن فی زمان النبی	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	میں پانچ انصار نے قرآن حفظ کیا۔
خمسة من الانصار، معاذ	معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت،
بن جبل، وعبدہ بن الصامت	ابی بن کعب، ابویوب، ابوالدرداء،
وابی بن کعب وابویوب	

وابوالدرداء - (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

فتح الباری ج ۹ ص ۴۲)

اس میں حضرت عباده بن صامت اور حضرت ابوالیوب کا ذکر ہے، جو حضرت انس کی حدیث میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند حسن ہے۔

ابن سعد، یعقوب بن سفیان، طبرانی (فی الکبیر) اور حاکم مستدرک میں حبیل القدر تابعی امام شعبی سے راوی ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

جمع القرآن علیٰ علیہ وسلم ستہ
نقر من الانصار ابی بن کعب
وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل وابو
الدرداء وسعید بن عبید وابوزید وکان
مجمعین جاریۃ قد اخذہ الاسودتین
او ثلاث (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۳)

عبدالرسالت میں کچھ انصار نے قرآن
حفظ کیا۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت
معاذ بن جبل، ابوالدرداء۔ سعید بن
عبید ابوزید۔ اور مجمع بن جاریہ نے بھی
دو تین سورتوں کے علاوہ پورا
قرآن یاد کر لیا تھا۔

اس میں حضرت سعید بن عبید کا نام مزید ہے۔ فتح الباری میں ہے مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے فرماتے ہیں۔

جمعت القرآن نقرأت بہ کل
لیلۃ نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم فقال اقراء فی

میں نے قرآن حفظ کر لیا تو ہر رات
پورا قرآن پڑھتا۔ نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو

شہر۔ (نسائی)
حضرت انس کی حدیث میں ان کا نام بھی نہیں۔ صحیح بخاری میں مسروق سے روایت ہے۔

ذکر عبد اللہ عند عبد اللہ بن عمرو، فقال ذاك رجل لا زال احبة بعد ما سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول استقروا لقرآن من اربعة من عبد الله بن مسعود فبدأ به وسالم مولی ابی حذیفة وابی بن کعب ومعاذ بن جبل۔ قال لا ادری بدأ بابی او بمعاذ بن جبل۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن ماسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا یہ وہ شخص ہیں جنہیں میں اس کے بعد سے برابر محبوب رکھتا ہوں۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ عبد اللہ بن مسعود سے۔ سرکار نے ان کا نام پہلے لیا۔ اور ابو حذیفہ کے غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے انہوں نے کہا پتہ نہیں سرکار نے ابی کا نام پہلے لیا یا معاذ بن جبل کا۔

(بخاری ابواب المناقب ج ۱ ص ۵۳۱)

(اصح المطابع دہلی)۔۔۔۔۔

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر ہے جو حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو قدیم الاسلام بعد خلفاء اربعہ الصیبرہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مذکورہ خصوصیت

کے حامل ہونے کے ساتھ قرآن کے اتنے زبردست عالم ہیں کہ خود فرماتے ہیں۔
 وَاللّٰهُ الَّذِیْ لَا إِلَٰهَ غَیْرُهُ مَا أَنْزَلَتْ
 سُورَةٌ مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا عَلِمُ
 اَیْنَ نَزَلَتْ، وَمَا أَنْزَلْتُ آیَةً
 مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا عَلِمُ فِیْهَا
 أَنْزَلْتُ وَلَوْ عَلِمَ أَحَدٌ إِلَّا عَلِمَ
 بِکِتَابِ اللّٰهِ مِنِّیْ تَبْلُغُهُ إِلَّا بِلِی
 لَوْ کُنْتُ إِلَیْهِ (بخاری باب القراءۃ ج ۲ ص ۲۴۷)
 قسم خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں
 قرآن کی جو سورۃ بھی نازل ہوئی میں
 اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں
 نازل ہوئی۔ اور جو آیت بھی اتری
 اور میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں اتری
 اگر مجھ سے زیادہ کوئی عالم قرآن دریافت
 ہوتا جس تک اونٹوں کے ذریعہ رسائی
 ہو سکے تو میں اس کے پاس حاضر ہوتا۔

اور ان کے حفظ و قرأت کی شان اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو حاکم نے
 مستدرک میں حضرت علقمہ بن قیس علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا وہ عرفہ میں تھے۔ اس نے عرض کیا: امیر المومنین!
 میں کوفہ سے آیا ہوں۔ وہاں ایک شخص ہے جو زبانی اپنی یادداشت سے مصاحف لکھتا
 ہے۔ یہ سن کر فاروق اعظم اتنے غضبناک ہوئے کہ غصہ سے پھولنے لگے، معلوم ہوتا
 تھا کہ اس شخص کے دونوں کنارے بھر دیں گے۔ فرمایا۔ ارے تم پر افسوس!
 وہ ہے کون؟ اس نے عرض کیا۔ عبداللہ بن مسعود۔ اب آہستہ آہستہ ان کا غصہ فرو
 ہونے لگا۔ اور پیچھے کی طرح پرسکون ہو گئے۔ پھر فرمایا۔

وَيَحَدِّثُ وَاللّٰهُ مَا عَلِمَهُ بَقِی
 أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ هُوَ أَحَقُّ
 بِذَٰلِكَ مِنْہُ۔
 ارے خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود سے
 زیادہ اس کام کا مستحق اب مسلمانوں
 میں اور کوئی نہیں۔

میں تمہیں ایک حدیث سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 ہمیشہ ابو بکر صدیق کے یہاں رات کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں گفتگو کیا کرتے ایک

رات میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے نکلے ہم لوگ بھی نکل چلے۔ دیکھا تو مسجد میں ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر بغور اس کی قرأت سننے لگے جب ہم اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کر کے تھک گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من سرور ان یقرأ القرآن
کمال انزل فلیقرأہ علی قرۃ
ابن ام عبد۔
جسے اس بات سے خوشی ہو کہ قرآن
جیسا نازل ہوا ہے ویسا ہی پڑھے تو
ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کی
قرأت پر پڑھے۔

پھر وہ شخص بیٹھا دعا کرتا رہا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے فرمانے لگے سل تعطہ۔ مانگو۔ تمہیں عطا ہو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔

فقلت واللہ لا غدون الیہ
فلا بشرنہ قال فقدرت
الیہ لا بشرہ فوجدت
ابا بکر قد سبقنی
فبشرہ فواللہ ما سا
بقته الی خیر قط الا
سبقنی الیہ۔
میں نے کہا۔ خدا کی قسم! میں سویرے
اس کے پاس جا کر یہ خوش خبری
اسے ضرور سناؤں گا۔ اس کے
یہاں صبح کو خوشخبری سنانے گیا تو
دیکھا کہ ابو بکر نے مجھ سے پہلے جا کر اسے
مژدہ سنا دیا۔ خدا کی قسم میں نے جب
بھی کسی نیک عمل میں ان سے مسابقت
کی وہی مجھ پر مسبقت لے گئے۔

(مسندک ۲ ج ۲۲۷)

یہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کا حفظ و قرأت میں مقام۔ لیکن حضرت انس کی حدیث میں ان کا بھی ذکر نہیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان ان کے

اپنے علم کی حد تک ہے یا یہ کہ انہوں نے صرف قبیلہ اوس کے مقابلہ میں خنوزج کے حفاظ کا ذکر کیا جس سے بس اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ انصار میں یہی چار حفاظ تھے۔ مگر حضرت انس کی حدیث میں بھی، ایک روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے۔ دوسرے میں ان کی جگہ حضرت ابوالدرداء (عمر بن مالک) کا تذکرہ ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضرت قتادہ کی روایت میں بغیر حصر کے ہے۔ دوسری روایت میں حصر کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ حصر بجائے خود اسی حدیث سے محل نظر ثابت ہو جاتا ہے۔

اب تک جو احادیث ذکر ہوئیں ان سے مندرجہ ذیل حفاظ کے نام معلوم ہوئے

- (۱) معاذ بن جبل (۲) ابی بن کعب (۳) زید بن ثابت (۴) ابو زید (۵) ابوالدرداء (۶) عبادہ بن صامت (۷) سعید بن عبید (۸) عبداللہ بن عمرو بن العاص (۹) عبداللہ بن مسعود (۱۰) سالم بن معقل مولیٰ ابی حذیفہ (۱۱) ابوبکر صدیق۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ابو عبید نے کتاب القراءات میں درج ذیل حفاظ صحابہ کا ذکر فرمایا ہے۔

خلفاء اربعہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، سعد بن مسعود
صحابہ حرمین سے | حذیفہ، سالم، ابو ہریرہ، عبداللہ بن سائب، عبداللہ بن عباس
 عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، عائشہ، حفصہ، ام سلمہ۔

عبادہ بن صامت، معاذ، جن کی کنیت ابو عبیدہ تھی، مجمع بن جابرہ
انصار سے | فضالہ بن عبید، مسلمہ بن مخلد، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان
 ہی کے ساتھ معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو زید (قیس بن الکن)
 ابوالدرداء، سعید بن عبید، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بھی شمار کر لیا جائے جن کو راوی پر

ہو چکا ۔

لیکن ابو عبیدہؓ نے اپنے ذکر کردہ حفاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں سے بعض نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تکمیل کی ہے۔ مثلاً مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق امام شعبی کی روایت گزری کہ حضور کے زمانے میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔ مگر دو تین سورتیں اس وقت انہیں یاد نہ تھیں۔

ابن ابی داؤد نے تمیم داری و عقبہ بن عامر کا۔ اور ابو عمر ودانی نے ابو موسیٰ اشعری کا اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بحوالہ طبقات ابن سعد، ام ورقہ بنت عبد اللہ بن حارث کا بھی ذکر کیا ہے۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عہد مبارک میں ”شہیدہ“ کے لقب سے یاد فرماتے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں انہوں نے اپنے مدبر غلام اور باندی کے ہاتھوں شہادت پائی۔ فاروق اعظم پکاراٹھے۔

صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان
یقول انطلقوا بنا فزود الشہیدہ
(اتقان ج ۱ ص ۷)

سبح فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔ فرمایا کرتے چلو ہم ”شہیدہ“ کی زیارت و ملاقات کریں گے۔

یہ بیس حفاظ صحابہ کے اسماء گرامی پیش ہوئے۔ مگر اب بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ میں بس اتنے ہی حفاظ تھے۔ اس لیے کہ عہد صدیقی کی جنگ یمامہ میں سات سو یا زیادہ حفاظ صحابہ کی شہادت ہوئی (یعنی ج ۲۰ ص ۱۶)

جنگ یمامہ ۱۱ھ ہی میں وصال سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند ماہ بعد واقع ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اتنے کثیر حفاظ یک بیک تو پیدا نہ ہوں گے، یقیناً ان میں اکثر وہی ہوں گے جو عہد رسالت ہی میں حفظ کی تکمیل کر چکے ہوں تو

بتیس^{۳۲} سے بھی زیادہ حفاظ کا عہد رسالت میں ہی ہوتا یقینی طور پر لازم آتا ہے۔
یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہاں حفاظ سے بحث ہے جنہیں پورا قرآن یاد ہو۔
رہا اجزاء قرآن یا کچھ قرآن کا حفظ تو اس سے تو شاید ہی کوئی مسلمان مستثنیٰ
کیا جاسکے۔ سرکار کے حجۃ الوداع میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار
کو پہنچ چکی تھی۔

اب آپ غور کیجئے کیا ان سب حقائق کے پیش نظر قرآن کریم کے عدم تواتر
کا استدلال "تار عنکبوت" سے کچھ زیادہ حیثیت رکھتا ہے؟ — امام مازری فرماتے ہیں
اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عہد رسالت میں کوئی جماعت کثیرہ ایسی
نہ تھی جس کے ہر فرد کو پورا قرآن یاد ہو، تو بھی قرآن عظیم کا عدم تواتر ثابت نہیں
ہو سکتا۔ قرآن کا تواتریوں بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ اجزاء قرآن ایک جم غفیر کو یاد ہوں
دوسرے کو نہیں، کچھ دوسرے کو یاد ہوں پہلے کو نہیں، اسی طرح مختلف اجزاء
مختلف بڑی جماعتوں کو یاد ہوں۔ مثلاً الگ الگ پانچ پانچ دس دس سورتیں
بیس پچیس جماعتوں کو یاد ہوں پھر ان سے اسی طرح منقول ہوں اس طرح بھی
تواتر ثابت ہو جاتا ہے (اتقان ج ۱ ص ۷)

یہ سبیل تنزیل یہ بھی ایک جواب ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ بہر حال
ملاحظہ کا یہ الزام (کہ قرآن بتواتر منقول نہیں) ان کی کوتاہ نظری یا عناد محض
کا نتیجہ ہے جو کسی طرح قابل التفات نہیں۔

قرآن کی کتابت اور تدوین اول

عرب کا حافظہ مشہور ہے۔ ہزار ہا اشعار، قصائد، ارجوزے، اور

روایات ان کو زبانی یاد ہوتیں۔ شعری مقابلوں میں اپنی قوت حافظہ پر فخر کرتے۔ کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا انہیں لئے کسر نشان سمجھتے۔ مگر ان سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کا معاملہ صرف حفظ تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا۔ جتنا قرآن نازل ہوتا، حکم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی کتابت بھی ہو جاتی، اس طرح زمانہ رسالت ہی میں نزول قرآن مکمل ہونے کے ساتھ کتابت قرآن بھی مکمل ہو گئی۔ اور یہی وہ تدوین و کتابت ہے جو زمانہ مابعد میں قرآنی خدمت کی اساس اور بنیاد قرار پائی۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جاہلیت" کے زمانے میں آشنائے کتابت کون تھا کہ ابتدائے نزول ہی سے کتابت بھی ہونے لگی۔ وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں ایک تو تاریخ سے بے خبری دوسری "جاہلیت" کے صحیح مفہوم سے ناآشنائی۔

"جاہلیت" ایک خاص مفہوم رکھتا ہے۔ جس سے ایک دور اور اس کے کردار و احوال کی تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں علم و فن سے کوئی آشنا ہی نہ تھا۔ اس وقت بھی عرب میں کئی علوم رائج تھے، مگر وہ علم صحیح کی قدیں پامال کر رہے تھے۔ ان کا ماحول اخلاق و کردار کے اعتبار سے متعفن تھا۔ وہ بے حیائی و بدکرداری پر فخر کیا کرتے ان ہی حالات کی بنا پر اس دور کو دور جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

ولا تبرزن تبرج الجاہلیۃ اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت
لاذلی (احزاب پ ۲۲ ۱۶) کی بے پردگی۔

کچھ ویسے ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالات، آج یورپ میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اس خاص اصطلاح کے پیش نظر مغرب کو اس کی تمام تر ایجادات، علم و فن اور دنیاوی ترقیوں کے باوجود نمونہ جاہلیت کہا جاسکتا ہے۔

کتابت کا ثبوت تو خود قرآن سے ملتا ہے۔

والطوره و کتاب مسطورہ فی
رق منشورہ (پ ۳۴)
یکتوں الکتب بایدیم (پ ۹۶)
اذا تداينتم بلین الی اجل
مسی فاکتبوه (بقرہ پ ۷۴)
ولیکتب بلیکم کاتب
بالعدل (بقرہ پ ۷۴)
رسول من اللہ یتلوا صحفا
مطهرة فیہا کتب قیمۃ ربینہ (پ ۲۲۴)
لا یمسہ الا المطہرون (واقف پ ۱۶۴)

طور کی قسم۔ اور اس نوشتہ کی جو
کھلے و فتر میں لکھا ہے۔
کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں۔
جب تم ایک مقرر مدت تک کسی
دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔
اور چاہیے کہ تمہارے درمیان
کوئی لکھنے والا ٹھیک لکھے۔
وہ اللہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے
ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں۔
اسے نہ چھوئیں مگر با وضو۔

احادیث اس مقصد کے اثبات میں بے شمار ہیں۔ ان سب کا استقصا بہت
وشوار ہے۔ حدیث کے عام طلبہ سے بھی مخفی نہیں۔ پھر اگے خاص کتابت قرآن
سے متعلق احادیث آرہی ہیں۔ اس بحث کے لیے وہی کافی ہیں۔
تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ظہور اسلام کے وقت عرب کتابت سے نا آشنا
نہ تھے۔ اگرچہ ان میں لکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی مگر قرآن کی کتابت
کے لیے بقدر کفایت افراد ضرور موجود تھے۔

» دائرة معارف القرآن العشرون « کے الفاظ میں کتابت کے

اجمالی تاریخ یہ ہے۔ الخط عند
العرب کان مجهولاً قبیل
ظہور الاسلام نحو
عرب ظہور اسلام سے قریب
ایک صدی پہلے کتابت سے نا آشنا
تھے۔ کیونکہ ان کے معاشرتی احوال

قرن، لان احوالهم الاجتماع
عنة وما كانوا عليه من
دوام الحروب والقارات صر
فهم عن ذلك ويعتني
بهمولاء العرب عرب الحجاز
الذين ظهروا فيهم رسول الله
صلى الله تعالى عليه وسلم.
اما العرب الذين كانوا مجاورين
للفرس والرومان وبنو حمير في اليمن
والانباط في شمال جزيرة العرب فقد تعلموا
الخط من زمان مديد على ان بعض
اهل الحجاز ممن رحلوا الى العراق والشام
تعلموا الخط النبطي والعبري والسيراني وكثرا
به الكلام العربي ثم لما جاء الاسلام تولد
عن الخط النبطي النسخ وعن السرياني
الخط الكوفي ويقال ان اول من تعلم
هذا الخط هو بشر بن عبد الملك الكندي
تعلمه من الانبار وتزوج اخت ابى
سفيان بن حرب بمكة وعلم هذا الخط
لجماعة من قریش کذا ذکره
المجلد السیوطی دائرة معارف القرآن

اور پیہم جنگوں، غارتوں میں ان
کی مصروفیت ان کے لئے اس
من سے مانع رہی۔ ان عرب سے
مراد عرب حجاز ہیں۔ جن میں رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہوا
ورنہ فارس و روم کے ہمسایہ عرب
یمن کے بنو حمیر، اور شمالی جزیرہ
عرب کے نبطی، تو عرصہ دراز سے
آشنائے کتابت تھے۔ اور بعض
اہل حجاز جنہوں نے عراق و شام
کا سفر کیا۔ انہوں نے بھی نبطی
عبرانی و سریانی خط سیکھ لیا تھا
اور اسی خط میں عربی کلام بھی لکھتے
پھر جب اسلام آیا تو خط نبطی سے
”خط نسخ“ اور سریانی سے ”خط
کوفی“ پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے سب
سے پہلے یہ خط سیکھنے والا بشر بن
عبد الملک کنڈی ہے۔ جس نے
انبار سے سیکھا۔ اور مکہ میں
ابو سفيان بن حرب کی بہن
سے نکاح کیا۔ اور ایک جماعت

المشرقین ۳ ص ۴۲۱-۴۲۲، از محمد فرید دہلوی
دارالمعرفۃ، بیروت لبنان - طبع سوم
۱۹۷۱ء
قریش کو یہ خط سکھا دیا۔
جلال الدین سیوطی نے یوں ہی
ذکر فرمایا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ فارس و روم کے ہمسایہ عرب، یمن کے بنی حمیر
اسی طرح شمال عرب کے انباط، زمانہ قدیم سے لکھنا جانتے تھے۔ اور عراق و شام
کا سفر کرنے والے بعض اہل حجاز بھی کتابت سے آشنا تھے۔

ظہور اسلام کے وقت قریش کے قریباً سترہ آدمی کتابت سے واقف تھے
ان میں حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان اور معاویہ بھی شامل ہیں
یوں ہی کچھ اہل مدینہ اور یہود تاجسین بھی لکھنا جانتے تھے رسول اللہ -
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتابت کے فروغ پر خصوصی توجہ فرمائی، غزوہ
بدر میں جب قریش کے کچھ ایسے افراد بھی گرفتار ہوئے جو کتابت سے آشنا
تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کا یہ فدیہ
قبول فرمایا، کہ وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا دے اس طریق کار سے لکھنے
والوں کی ایک خاصی جماعت پیدا ہو گئی۔ اور عرب میں کتابت کو عام فروغ حاصل
ہوا۔ حضرت زید بن ثابت نے بھی اسی طرح کتابت سیکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے سریانی زبان بھی سیکھی۔

بہر حال یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ عرب اور خصوصاً مسلمانوں میں کتابت
سے آشنا افراد ضرور موجود تھے۔ جن کے ذریعہ عہد رسالت میں قرآن کی کتابت
ہوتی رہی۔

رجال و سیر کی کتابوں میں رسول اللہ

کاتبان بارگاہ رسالت | صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبوں

کے نام ملتے ہیں، مگر سب کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ کس نے کیا لکھا علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں۔

ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبان وحی میں ہیں زید بن ثابت سے پہلے اور ان کے ساتھ بھی یہ وحی لکھا کرتے۔ البتہ زید بن ثابت صحابہ میں سب سے زیادہ کتابت وحی کا کام کرنے والے ہیں (گویا یہی اس کے لئے مقرر تھے) محمد بن سعد نے واقفی کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت ابی بن کعب سب سے پہلے کاتب وحی ہیں، یہ نہ ہوتے تو حضور زید بن ثابت کو بلا تے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ دونوں حضرات وحی لکھا کرتے۔ اس کے علاوہ خطوط، فیصلے وغیرہ بھی لکھتے۔

(کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۲۷۷۔ ذکر ابی بن کعب۔ للمحافظ ابی عمر یوسف بن عبد اللہ المعروف بابن عبد البر النمری القریبی۔ ۵۳۶۸/۵۴۶۳) شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے کاتبان رسول کے نام اور مختصر حالات مدارج النبوة میں بیان کیے ہیں۔ یہاں بھی اس کا ایک اختصار قلمبند کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زمانہ سجاہلیت میں ان کا نام رب الکعبہ بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ والد ابوقحافہ عثمان ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو سال چنڈناہ بعد پیدا ہوئے۔ یہ مدت ان کی مدت خلافت کے برابر ہے۔ جس سے ان کی عمر کے تریسٹھ سال پورے ہوتے ہیں۔ ان کے خصائص و مناقب بہت ہیں۔ ۲۲ جمادی الاول

۳۳ھ دو شنبہ کا دن گزار کر سہ شنبہ کی شب میں مغرب و عشاء کے درمیان وصال فرمایا۔

(۲) عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ | عام الفیل کے تیرہ سال بعد یک شنبہ کی رات، پہلی محرم کو پیدا ہوئے

ان کے اسلام لانے سے حق و باطل میں فرق و امتیاز اور جدائی کا اعلان ہو گیا اس لیے فاروق لقب ہوا۔ دس سال چھ ماہ خلافت رہی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے جو سی غلام ابو لولؤ کے ہاتھ ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کو زخم کاری لگا جس کے تیسرے دن شہادت پائی پہلی محرم ۲۴ھ یک شنبہ کے دن مدفون ہوئے۔

عام الفیل کے چھٹے سال (۳) عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ | پیدا ہوئے حضرت ابوبکر،

علی، اور زبیر بن عارث کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ مدت خلافت بارہ سال ہے۔ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن شہادت پائی۔ شنبہ کی رات میں مغرب و عشاء کے درمیان مدفون ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر بیاسی سال تھی۔

(۴) علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں میں ان کا نام علی رہا۔ علامہ ابن حجر

اصابہ میں اکثر اہل علم کا قول ذکر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ استیعاب میں علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے اپنا اسلام فوراً ظاہر کر دیا۔ مگر حضرت علی نے اپنے باپ کی وجہ سے چھپایا۔ اسلام لانے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ ان کی خلافت چار سال، سات ماہ، چھ یا بارہ روز رہی۔

لے اكمال فی اسماء الرجال - ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب - بخاری کتاب الجنائز ج ۱ ص ۱۸۶۔

۱۸۔ رمضان ۳۶ھ صبح جمعہ کو ابن ملجم مزادی نے زخم لگایا جس سے تین شب بعد
۲۱۔ رمضان کو تریسٹھ سال کی عمر میں شہادت نصیب ہوئی۔

عثمان حضرت ابوبکر کے والد ابو
(۵) طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان | قحاذہ ہیں۔ عبید اللہ اور ابوبکر

عبید اللہ، حضرت ابو قحاذہ عثمان کے فرزند ہیں۔ اور عبید اللہ کے فرزند حضرت طلحہ
ہیں۔ تو یہ حضرت ابوبکر صدیق کے بھتیجے ہوئے۔ یہ ان آٹھ حضرات میں سے ہیں
جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی۔ اور ان پانچ اصحاب عظام سے جو حضرت
ابوبکر صدیق کے دست پاک پر اسلام لائے عشرہ مبشرہ سے بھی ہیں۔ جنگ احد میں
ان کا کارنامہ حضرت ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قابل رشک رہا۔ حضرت علی کے عہد خلافت
میں ۲۰۔ جمادی الآخرہ ۳۶ھ پنجشنبہ کے دن جنگ جمل میں مروان بن الحکم
کے ہاتھوں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

عشرہ مبشرہ میں سے
(۶) زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ | ہیں۔ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
ان کی ماں ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی پھوپھی اور اسماء بنت
ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی زوجہ تھیں۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت
صدیق اکبر کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ جس کی یادداشت میں ان کے چچا نے انہیں چٹائی
میں لیٹ کر دھواں دیا۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ مگر یہ اسلام پر قائم
رہے۔ ہجرت حبشہ کی مابعد اور دیگر غزوات و مشاہد میں شریک رہے۔ روز احد
حضور کے ساتھ ثابت رہنے والوں میں ہیں یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے

لے اکمال فی اسماء الرجال للخطیب البغدادی۔

راہ خدا میں تلوار کھینچی۔

روزِ جل ۳۶ھ میں چونسٹھ سال کمر پاکر ابنِ جرْموز کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئے پہلے راوی السباع میں مدفون ہوئے پھر وہاں سے بصرہ میں منتقل کئے گئے۔

(۷) سعد بن ابی وقاص مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ | عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد وفات پانے

والے ہیں کبار صحابہ و تابعین نے ان سے روایت کی۔ دعائے سرکار کی بدولت مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر سترہ یا انیس سال کی عمر میں اسلام لائے سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہِ خدا میں تیر اندازی کی۔ بحکم فاروق اعظم شہرِ کوفہ تعمیر کیا۔ اور دورِ فاروقی میں اس کے والی رہے۔ مدینہ منورہ سے دس میل دوری پر واقع عقیق نامی موضع میں اپنا دولت کردہ تعمیر کیا تھا۔ وہیں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے اس وقت انکی عمر تہتر سال سے زیادہ تھی۔

(۸) غامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام ہیں سفرِ ہجرت میں آقائے دو عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق کیساتھ رہے۔ سریہِ بیر معونہ میں چالیس سال کی عمر پاکر شہید ہوئے۔

(۹) ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ | انصاری کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔

خطیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے قریش کے جواب میں

خطبہ دیا تو اپنی فصاحت و بلاغت اور کمال خطابت کے سامنے قریش کو سکت
و عاجز کر دیا۔ ^۱ عہد صدیق کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

قدیم الاسلام میں

(۱۰) خالد بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | بعض کا قول ہے

کہ صدیق اکبر کے بعد سب سے پہلے قبول اسلام کیا۔ بعض تیسرے بعض چوتھے بعض
پانچویں مسلمان بتاتے ہیں۔ ہجرت حبشہ میں یہ بھی تھے۔ پھر غزوہ خیبر میں حضور
کے پاس حاضر ہوئے اور بعد خیبر کے غزوات و مشاہد میں شریک رہے یوم مرج الصفر
یا یوم اجنادین میں وفات پائی۔^۲

صلح حدیبیہ اور غزوہ

(۱۱) ابان بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | خیبر کے درمیان

مسلمان ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں سریہ نجد میں بھیجا اور
مکرمین کا عامل بنایا۔ ارباب سیر نے خالد و ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بھائیوں
کو کا تبیں رسول سے شمار کیا ہے۔

ان کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ (۱) یوم مرج الصفر ^۳ (۲) موکہ
اجنادین جمادی الاولیٰ ^۴ یا ^۵ (۳) ^۶ (۴) ^۷ خلافت عثمان ^۸

کتابت وحی کی خدمت انجام دینے

(۱۲) حنظلہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ | کے باعث انہیں "حنظلۃ الکاتب" کہا جاتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد خلافت میں وفات پائی۔

۱۔ اصابہ ج ۱ ص ۴۰۔

۲۔ اسد الغابہ لابن اثیر علی بن محمد جزیری ۵۵۵/۶۳۰ ج ۱ ص ۴۰۔

۳۔ اصابہ لابن حجر العسقلانی ۵۷۳/۸۵۲ ج ۱ ص ۴۰۔

(۱۳) ابوسفیان صحز بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ | حضرت معاویہ رضی اللہ

عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں سرداران قریش سے تھے۔ رؤساء قریش کا علم ان ہی کے ہاتھوں رہا۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ اٹھاسی سال کی عمر پاکر ۳۴ھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی بقیع میں مدفون ہوئے۔

(۱۴) یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما | حضرت ابوسفیان کے

فرزندوں میں سب سے بہتر شمار ہوتے ہیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقات بنی عراس کی وصولی کا عامل بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ۳۲ھ میں انہیں عامل مقرر کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں فلسطین اور اس کے اطراف میں جانے والی فوجوں کا والی بنایا۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی وفات کے بعد انہیں شام کا بھی والی بنا دیا۔ ۳۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما | یہ بھی کاتبان وحی سے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ صرف خطوط اور منشورات لکھا کرتے تھے

عہد فاروقی میں اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کے بعد شام کے حاکم ہوئے اور اس وقت سے وفات تک والی شام رہے۔ ۴۰ھ میں جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں خلافت سپرد کردی تو ان کی حکومت مزید مستحکم ہو گئی اھمیت سال کی عمر پاکر ۸۰ رجب ۶۰ھ میں وصال فرمایا۔

ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہمد چادر، کمرتا، کچھ ناخن

اور موہائے مبارک تھے۔ جن کے متعلق وقت وفات وصیت کر گئے کہ مجھے حضور کے مبارک کرتے، چادر تہجد میں کفن دیا جائے۔ مقدس ناخنوں اور بالوں سے میرا منہ ناک اور اعضائے سجدہ بھر دیئے جائیں۔ اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا جائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ

(۱۶) زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو ان کی عمر گیارہ سال

تھی۔ ان کے صاحبزادے خارجہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے متعلق بتایا کہ مجھے سرکار کی تشریف آوری کے وقت ان کی خدمت میں حاضر کمرہ کے عرض کیا گیا یہ بنی بخار کا ایک فرزند ہے جس نے قرآن کی سترہ سورتیں سکھ لی ہیں اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سنایا تو انہوں نے میری قرات پسند کی اور فرمایا۔ زید! یہود کا خط اور کتابت سیکھ لو۔ اس لئے کہ یہود کی طرف سے کتاب کے معاملے میں اطمینان نہیں۔ اس میں زیادتی و کمی کر دیا کرتے ہیں۔ تم سریانی زبان سیکھ لو۔ فرماتے ہیں۔ میں نے سیکھنا شروع کیا اور نصف ماہ نہ گزرا کہ ماہر ہو گیا۔ پھر میں لکھا کرتا۔ اور یہود سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراسلت ہوتی۔

لوگ انہیں "کاتب رسول" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا کرتے، اس لئے کہ زیادہ تر وحی کی کتابت ان ہی کے سپرد ہوتی۔ تھا، فتویٰ، فرائض اور فقہ کے اکابر علماء سے ہیں، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں تدوین قرآن کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی مدینہ کے اندر شجرہ میں وفات پائی۔

حسنہ ان کی ماں کا نام ہے والدہ

(۱۷) شجرہ بن حمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبداللہ ہے۔ عبدالرحمن

بن حسنہ کے بھائی ہیں۔ امیر صحابی ہیں۔ ہجرت حبشہ سے مشرف ہوئے۔ ابن ماجہ نے حضور سے ان کی ایک حدیث نماز میں ترک طہانیت پر وعید سے متعلق روایت کی ہے۔ بخاشی

کے ام جلیہ کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کرانے کی حدیث میں بھی ان کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں قاصد بنا کر مصر بھیجنے کی بھی روایت ہے جب سرکار نے وصال فرمایا تو شرحیل مصر ہی میں تھے حضور سے اور عبادہ بن صامت سے انہوں نے روایت کی ہے ان سے ان کے لڑکے ربیعہ نے روایت کی ہے۔ ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا۔ یہی ہو سکتا ہے کہ مصر پیام رسانی کے وقت حضور نے ان سے کتابت کرائی ہو۔

مشہور صحابی ہیں۔ بحریں پر رسول اللہ
(۱۹) علامہ حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ | صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل تھے

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی انہیں دہاں کا عامل برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ سلمہ میں وفات پائی۔ قبیلہ حمز موت سے تھے، اس لئے ”حنفی“ نسبت ہے۔

ان کی ماں لبابہ صغریٰ، حضرت عباس
(۱۹) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ | بن عبد المطلب کی زوجہ ام الفضل لبابہ کبریٰ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں سلمہ میں غزوہ خیبر کے بعد یا غزوہ موتہ سے دو ماہ قبل اسلام لائے۔ مختلف اسلامی غزوات میں ان کے نمایاں کارنامے ہیں سلمہ عہد فاروقی میں وصال ہوا۔

صحابہ کرام میں یہ پہلے شخص
(۲۰) محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ | ہیں جن کا نام محمد رکھا گیا

قدیم الاسلام ہیں۔ مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تبوک کے سوا تمام غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے تبوک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ جبل اور صفین کے نزاعات سے کنارہ کش اور گوشہ نشین رہے سلمہ یا سلمہ میں ستہتر برس کی عمر پا کر

وصال فرمایا۔

(۲۱) عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ | سابقین اولین سے
ہیں بیعت عقبہ

بدر، احد، خندق اور اپنی زندگی کے تمام غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے شہید
جنگ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے یہ دربار رسالت کے ان شعراء میں ہیں
جنہوں نے اپنے اشعار سے ناموس رسول کی حمایت، اور کفار کی مذمت کی سرکار
کی مدح میں ان کا یہ شعر بہت خوب ہے۔

لَوْلَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَةٌ بَيِّنَةٌ
كَانَتْ بَدِيلًا مَتَهَ بَيْنَتِكَ بِالْخَبِيرِ

(۲۲) میغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ خندق کے سال
اسلام لائے بصرہ پھر کوفہ کے والی

رہے۔ وہیں شہید حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں وفات پائی۔

(۲۳) عمرو بن العاص بن قریظ رضی اللہ عنہ | یہ ہے کہ شہید میں مسلمان ہوئے
شہید میں اسلام لائے۔ ایک قول

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عمان کا والی بنایا۔ فاروق اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مصر فتح کیا اور والی مقرر رہے۔ حضرت عثمان
کے اواخر عہد خلافت میں معزول رہنے کے بعد، پھر حضرت معاویہ کے زمانے میں والی
مصر ہوئے وہیں شہید ہوئے نوے سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

(۲۴) عبداللہ بن عبد اللہ بن ابی بن سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ عبداللہ بن ابی سردار منافقین کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ کے برخلاف،

مسلمان اور عاشق رسول تھے، بدر اور تمام غزوات و مشاہد میں شریک رہے
دور صدیقی کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۲۵) جہم بن سعد اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ | فضاعی اور قرطبہ نے انہیں
بھی کاتبان رسول سے شمار
کیا ہے لکھا ہے کہ یہ اور حضرت زبیر اموال صدقہ لکھا کرتے۔

(۲۶) جہم بن الصلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ | استیغاب میں ہے کہ فتح خیبر
کے سال اسلام لائے
اصابہ میں ہے کہ کاتب رسول تھے۔ مغازی ابن اسحق میں ہے کہ جہم اور زبیر
اموال صدقہ لکھا کرتے تھے۔

(۲۷) ارقم بن ابی ارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ | یہ ساتویں مسلمان ہیں
بدری صحابی اور مہاجرین
اولین سے بھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش سے روپوش ہو کر
کوہ صفا پر واقع انہی کے گھر میں مقیم تھے۔ وہیں سے لوگوں کو دعوت اسلام دیتے
یہاں تک کہ فاروق اعظم کے اسلام لانے سے چالیس کی تعداد پوری ہو گئی۔ اور
سرکار باہر تشریف لائے۔

انہوں نے مدینہ کے اندر انسی سال سے زائد عمر پاکر ۵۵ھ میں جان، جان
اندرین کے سپرد کی۔

(۲۸) عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری خنزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہ وہ بزرگ صحابی ہیں جنہوں نے اسلحہ میں، اذان خواب میں دیکھی
اور بحکم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت بلال کو سکھائی۔ اور نماز

کے لئے اذان کا طریقہ اعلان جاری ہوا۔ بیعت عقبہ ابدر اور دوسرے غزوات و مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ۳۲ھ میں چونتیس سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔

(۲۹) علاء بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | اصحابہ میں ہے کہ مستغفری نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور تاریخ معتمد بن صاوح میں ہے کہ علاء اور ارقم معاہدے اور معاملات لکھا کرتے تھے

(۳۰) ابو الیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ | ان کا نام خالد بن زید ہے بیعت عقبہ ابدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۳۵ھ یا ۳۶ھ حضرت معاویہ کے زمانہ حکومت میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ سرحد قسطنطنیہ کے قریب، ان کی قبر مبارک، زیارت گاہ خلعت ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحب السرار (۳۱) حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ | علیہ وسلم کے صاحب السرار ہیں مسلم شراہین میں ان کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات و حوادث اور فتنے بتا دیئے ان ہی کا قول ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ہر قبیلہ کے سردار اس کے منافقین نہ ہو جائیں۔ ۳۵ھ میں شہادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار شب بعد مدائن میں وفات پائی۔ ان کی قبر مبارک دیں ہے۔

بدر سے پہلے اسلام (۳۲) بریدہ ابن الحصیب مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ | لائے مگر بدر میں نہ تھے

حدیبیہ اور بیعت الرضوان میں حاضر رہے مدینہ کے باشندے تھے۔ وہاں سے بصرہ منتقل ہو گئے۔ پھر جنگ میں خراسان جانا ہوا۔ وہیں یزید بن امیر معاویہ کے زمانے ۶۲ھ میں بمقام مرو وفات پائی۔

(۳۳) حصین بن نمیر بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابو علی مسکویہ نے اپنی کتاب تجارب الامم میں حصین بن نمیر کا نام کاتبین رسول میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عباس بن محمد نے معتمد کے لئے مرتب کردہ اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملات و مداینات لکھا کرتے۔

ابتداءً کتابت وحی

(۳۴) عبداللہ بن ابی سرح سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کفار کا ساتھ اختیار کیا پھر توبہ کی اور حضرت عثمان کی سفارش پر حضور نے فتح مکہ کے سال معافی دی فتح مصر میں شریک رہے ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں وفات پائی۔ ابن مندہ نے ۳۷ھ میں وفات بتائی ہے۔

استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اسلام لائے اور ان کا اسلام خوب و بہتر ہوا۔ اس کے بعد کوئی قابل نیکم چیز سرزد نہ ہوئی۔ قریش کے نجبار و عقلا سے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ رملہ کی طرف آئے اور وقت صبح دعا کی۔ خداوند انمیری آخری عمر نماز صبح میں صرف ہو۔ پھر وضو کیا۔ نماز ادا کی۔ داہنی طرف سلام پھیرا۔ بائیں طرف سلام پھیرنا چاہا کہ روح قبض ہو گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۵) ابو سلمہ بن عبد اللہ قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا نام عبد اللہ بن عبد اللہ ہے ابو سلمہ کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا عقداں ہی سے ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رضاعی اخوت کا رشتہ رکھتے ہیں سابقین اولین سے تھے دس آدمیوں کے بعد اسلام لائے۔ بعد ازاں وہیں میں وفات پائی ہجرت حبشہ سے بھی مشرف ہوئے اپنی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔ مدینہ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص ہیں ان کی جان کنی کے وقت سرکار نے یہ دعا رکھی۔

اللهم اغفر لابی سلمة	خداوند! ابو سلمہ کی مغفرت فرما
وارفع درجته فی المہم	اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا
بین واخلف فی	درجہ بلند فرما۔ اس کے پسماندگان
عقبہ فی العابدین	میں اس کا بہتر بدل مقرر فرما۔ اے
واغفر لادہ یارب	رب العالمین! ہمیں اور اسے اپنی
العالمین واسمہ	رحمت سے چھپالے اور اس کے لئے
فی قبرہ دنور لہ۔	اس کی قبر میں کثرت کی روشنی
(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۸ کتاب الجنائز)	کر دے۔

(۳۶) حو لیط بن عبد العزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ففتح مکہ کے وقت اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ حنین اور طائف میں حاضر ہوئے ان کا اسلام خوب اور بہتر ہوا۔ امام بخاری نے تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وقت وفات

ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی

(۳۷) حاتب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ | ہے کہ یہ حاضرین بدر سے ہیں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے
حبشہ کو دو ہجرتیں کیں۔ زہری نے بالجزم کہا ہے کہ حبشہ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے
یہی ہیں۔

(۳۸) ابن خطل | پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا، فتح مکہ سے پہلے مدینہ آکر
مسلمان ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام

عبداللہ رکھا اور ایک قبیلہ کی طرف وصولی زکوٰۃ کے لیے بھیجا، یہ مرتد ہو گیا اور
صدقہ کے جانور لے کر مکہ چلا گیا قریش سے کہا میں نے تمہارے دین سے بہتر
کوئی دین نہ پایا، حکم سرور کائنات فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا
ہوا قتل کیا گیا۔ ہو سکتا ہے اس نے قبل ارتداد کتابت کی ہو۔ مگر کہیں اس
کی صراحت نہیں ملتی۔

(۳۹) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ | جلیل القدر صحابی ہیں سرکار کے
زمانے میں حفظ قرآن کی تکمیل

کی مدینہ میں سب سے پہلے کاتب وحی یہی ہیں۔ فقہائے صحابہ میں ان کا بھی شمار
ہے۔ بہترین قاری تھے۔ بحکم الہی حضور نے ان کو قرآن سنایا خط کے آخر میں
”کتبہ فلان بن فلان“ سب سے پہلے لکھنے والے یہی ہیں۔ خلافت عثمانیؓ
میں وفات پائی۔

(۴۰) عبداللہ بن ارقم قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فتح مکہ کے سال اسلام لائے ان کی امانت داری پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا اعتماد تھا کہ انہیں بادشاہوں کے نام خطوط لکھنے کا حکم دیتے اور یہ نہ فرماتے کہ کیا لکھیں اور ان کے لکھنے کے بعد بغیر پڑھے مہر کر دیتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کاتب رہے۔ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بلا اجرت ولایت بیت المال کی خدمت انجام دی خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(۴۱) معقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سابقین اولین سے ہیں حبشہ کی ہجرت ثانیہ سے مشرت ہوئے اور وہیں مقیم رہے۔ پھر خیبر میں یا اس سے پہلے مدینہ میں سرکار کے پاس حاضر ہوئے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے انکو مدینہ میں بیت المال کا والی بنایا۔ آخر خلافت عثمان میں وفات پائی۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۳۰ تا ۵۶۰ مطبع منشی نو لکچر لکھنؤ)

قرآن حسب ضرورت و مصلحت نازل ہوتا۔ کبھی کتابت وحی | پانچ آیات۔ کبھی دس کبھی کم و بیش۔ قصہ انک

میں یک بارگی دس آیات کا نزول اسی طرح۔ سورہ مومنون کی ابتدائی دس آیات کا ایک ساتھ نزول صحیح روایات میں مذکور ہے یوں ہی تنہا غفور اولی الضر (پ ۱۰۴، آیت ۹۵) کا نزول روایت صحیح سے ثابت ہے اور یہ جزو آیت ہے۔ وان خفتن عیلمہ فسوف یغنیکم اللہ (الایہ) پ ۱۰۴ آیت ۲۸) کا نزول بھی اول آیت کے نزول کے بعد ہوا یہ بھی جزو آیت ہے (اتقان

ج ۱ نور ۱۶ ص ۴۲-۴۳)

بہر حال جتنا بھی قرآن نازل ہوتا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی کتابت کرا لیتے — امام احمد ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابو عبیدہ، نخاس، ابن حبان، ابو نعیم، ابن مردویہ، راوی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنزل علیہ السور ذوات العدد فكان اذا نزل علیہ الشئ دعا بعض من كان یکتب فیقول صنعوا هؤلاء الایات فی السورۃ التي یذکر فیہا کذا وکذا	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتیں، تو جب ان پر کچھ نازل ہوتا تو کسی لکھنے والے کو بلا کر فرماتے یہ آیات اس سورہ میں لکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔
--	--

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کر کے فرمایا۔ ہذا حدیث صحیحہ الاسناد۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ و ۲۳۸) دوسری حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جسے حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح بتایا ہے۔

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نولف القرآن من الرقاع۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۳۸) جامع ترمذی	ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قرآن چرمی پارچوں سے جمع کرتے۔
---	---

عائشہ باللہ حضرت عارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں۔

کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	قرآن کی کتابت زمانہ رسول کے بعد کی پیدا شدہ چیز نہیں۔ بلکہ خود رسول
---	---

کان یا صریکتابتہ ولکنہ
 کان مفردا فی الرقاع
 والا کتاف والعسب۔
 (اتقان ج ۱، نو ۱۸ ص ۶۰)

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کی
 کتابت کراتے تھے لیکن اس وقت
 قرآن چرمی پارچوں (ادٹ کے
 مونڈھوں کی) ٹہریوں اور کھجور
 کی شاخوں میں لکھا ہوا منتشر تھا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں
 بتنا قرآن نازل ہوتا وہ قید تحریر میں آجاتا۔ اس طرح سرکار کے زمانے ہی میں پورا
 قرآن لکھا جا چکا تھا۔ مگر ترتیب آیات و سورتوں کے ساتھ یکجا نہ تھا۔

فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، اتقان، میں بالفاظ متقاربہ ہے
 قد کان القرآن کلہ کتب
 فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم لکن عینہ مجموع فی موضع
 واحد ولا مرتب السور۔

عہد رسالت میں پورا قرآن لکھا
 جا چکا تھا۔ لیکن یکجا اور سورتوں
 کی باہمی ترتیب کے ساتھ نہ تھا۔

بہر حال یہ دعویٰ کہ قرآن عہد رسالت کے بعد لکھا گیا ہرگز صحیح نہیں بلکہ
 پورے قرآن کی کتابت عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ اور اسی کتابت کی بنیاد
 پر عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآن خدمت انجام دی گئی۔

فرق یہ ہے کہ عہد رسالت میں قرآن علیحدہ علیحدہ اوراق میں تھا۔ عہد صدیقی
 میں علیحدہ علیحدہ صحیفوں میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں۔ اور عہد عثمانی میں ایک
 مصحف کے اندر تمام آیات و سورتیں مرتب ہوئیں مگر اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے
 کہ زمانہ بنوی میں اگر کتابت اوراق میں قرآن مرتب نہ تھا تو حنفی سنینوں میں بھی
 مرتب نہ تھا۔

آگے معلوم ہو گا کہ قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو ترتیب عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں صحف و مصاحف کے اندر قائم ہوئی یہ وہی ترتیب ہے جو بعد رسالت سینہ حفاظ میں تھی۔ اور جسے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و توقیف سے حاصل کیا تھا۔

رہا یہ اعتراض کہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب نہ تھا تو پھر کتابت کس چیز پر ہوتی؟۔ میں کہوں گا یہ اعتراض بھی تاریخ و حدیث سے بے خبری کی پیداوار ہے؟ اس وقت عرب میں کاغذ کی صنعت اور درآمد نہ تھی تو کیا اس سے یہ لازم ہو گا کہ ایسی کوئی دوسری چیز بھی نہ تھی جس پر کتابت ہو سکے؟

یہ ثابت ہو چکا کہ اس زمانے میں کتابت ہوتی تھی۔ کتابیں بھی تھیں۔ خیبر، مدینہ اور دیگر مقامات میں یہود کے بہت سے اجتماعی و انفرادی کتب خانے تھے۔ تو اگر کوئی سامان کتابت نہ تھا تو وہ ساری کتابیں اور تحریریں معرّض وجود میں کیسے آئیں؟ قرآن ہی میں یہود سے متعلق فرمایا گیا۔

کَمَثَلِ الْهَمَارِ يَحْمِلُ
اَسْفَارًا
گدھے کی طرح بڑی بڑی کتابیں
لا دے ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس زمانے میں کتابت اور کتابیں تھیں تو اشیاء کتابت بھی ضرور تھیں۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کی کتابت کس چیز پر ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں جن چیزوں کے نام احادیث سے دریافت ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ اَدِیم، اَلْخَاف، اَلْکَتِف، اَقْتَاب، رِقَاع۔

یہ سب کیا چیزیں تھیں؟ اس کی قدر و وضاحت ضرور ہے جس سے معلوم ہو گا کہ یہ اشیاء کتابت کے لیے بہت وزین اور فائدہ مند بہ نسبت حودث

زمانہ کے مقابلے میں زیادہ پائدار تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہد صدیقی میں جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”تدوین ثانی“ شروع کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرانی ہوئی۔ سورتیں اور آیتیں ان کو بعینہ مل گئیں جن میں بعض تحریروں پر یقیناً تیس برس کی مدت گزر چکی تھی۔

ادیم :- عام طور سے اس کا ترجمہ چڑا کیا جاتا ہے مگر ”ادیم“ ہر چڑے کو نہیں کہتے۔ بلکہ یہ وہ چڑا ہے جو دباغت کے بعد باریک کھالوں سے بنایا جاتا۔ اور عرب جیسے گوشت خور ملک میں بکثرت دستیابی کے باعث آسانی و فراوانی کے ساتھ کتابت کے کام میں لایا جاتا۔ اس کی مثال ہمارے زمانے کے پارچمنٹ (parchment) کی ہے۔

لخاف :- لخنہ کی جمع ہے، جس کا معنی پتھر بتایا جاتا ہے مگر اس کی نوعیت عام پتھروں کی نہ تھی۔ بلکہ یہ سفید رنگ کی چوڑی چوڑی تختیاں ہوتیں جو عمدگی سے بنیں اور کتابت میں استعمال ہوتیں جیسے موجودہ زمانے میں لکھنے کا سلیٹ ہوتا ہے فرق صرف رنگ کا ہے۔

کتف :- اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی وہ ہڈی، جو خاص انداز سے تراش کر نکالنے سے طشتری کی طرح بن جاتی۔ یہ بھی اپنی صفائی و عمدگی کے باعث مصرت کتابت کے لیے موزوں ہوتی۔

مسیب :- کھجور کی شاخوں میں تنے سے متصل کثادہ حصے کو کہتے ہیں جسے شاخ سے جدا کر کے خشک کر لیتے اور اس کے ٹکڑے لکھنے کے کام میں لاتے۔

اقتاب :- اونٹ کے کجاؤں کے چوڑے چوڑے پتلے پتلے تختوں کو کہتے ہیں جو کثرت استعمال کے باعث صاف اور چکنے ہو جانے کی وجہ سے آسانی مصرت کتابت میں لائے جاتے۔

دفاع :- چرمی پارچوں - اور کاغذ - یا پتے کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں یہ بھی -
کتابت کے لئے استعمال ہوتے - دانتان وحاشیہ بخاری وغیرہ

عہد رسالت میں کتابہ ترتیب قرآن کیوں نہ ہوئی؟

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ عہد رسالت میں سورتوں اور آیات میں کتابہ ترتیب کیوں نہ ہوئی؟۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس وقت نزول قرآن کی تکمیل ہی نہ ہوئی تھی تو ترتیب کیونکر ہوتی۔ اور جب نزول کی تکمیل ہوئی تو اتنی مدت باقی نہ تھی کہ سب کی یکجا ترتیب ہو سکے۔

سب سے آخر میں وا تقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وہم لا یظلمون ۵ (بقرہ پ ۶۴) نازل ہوئی جس کے بعد باختلاف روایات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین ساعات یا سات ایام یا نورائیں یا اکیس روز دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان ہی اوقات و ایام میں مرض و فات بھی ہے ظاہر ہے کہ یہ مدت اور یہ حالت اس عظیم کام کے لئے کافی نہ تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بعض آیات منسوخ بھی ہوئیں اور جب نسخ کا امکان تھا تو ترتیب کیونکر ہوتی۔ یوں ہی نزول قرآن اصل ترتیب آیات و سورتوں کے مطابق نہ ہوتا بلکہ حسب ضرورت و مصلحت مختلف مقامات کی متعدد آیات یا ایک آیت یا سورت یا جزء آیت نازل ہوتی رہتی۔ پھر بالترتیب ان سب کی کتابت کیسے ہوتی؟۔ کسی سورہ میں پہلے کی آیات، بعد میں اور بعد کی پہلے نازل ہوئیں۔ یہی حال سورتوں کے نزول کا ہے۔

اب اگر نزول کے مطابق یکجا کتابت ہوتی جاتی تو ایک آیت کہیں، اور اس سے متصل دوسری آیت کہیں، یا ادھی آیت ایک جگہ، اور ادھی دوسری جگہ، یا اکثر آیت کسی مقام پر اور اس کا ایک جز دوسرے مقام پر ملتا۔ نہ آیات کی تعیین ہو پاتی نہ ان کی معانی و احکام کی۔

اسی طرح بد سورتوں میں امتیاز قائم نہ ہوتا۔ ایک سورہ میں دوسری سورہ کی آیات، اور دوسری میں پہلی یا کسی اور سورہ کی آیات آجاتیں۔ جو سورہ پوری ایک ساتھ نازل ہوتی وہ تو متعین ہو جاتی اور باقی سورتیں متعین ہی نہ ہوتیں اس لئے نزول قرآن کے ساتھ صحیفہ یا مصحف کی شکل میں ترتیب قرآن کا امکان ہی نہ تھا۔

ترتیب نزول، ترتیب قرأت سے جدا کیوں؟

یہاں طبعی طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر قرآن اصل ترتیب کے مطابق ہی کیوں نہ نازل ہوا۔ اشارۃً اس کا جواب بارہا گزر چکا کہ نزول قرآن تدریجاً اور ضرورت و مصلحت کے مطابق ہوتا۔ حکمت الہیہ مفقہی تھی کہ مثلاً پہلے اسلام و ایمان کے اصول و مبادی اور کفر و شرک کی خرابیاں بیان ہوں، تاکہ اولاً توحید و رسالت اور ایمان و عقائد و لوں میں راسخ ہو جائیں۔ پھر آیات احکام کا نزول ہو۔ نفاذ احکام میں بھی یہ حکمت ملحوظ رکھی گئی کہ اگر تمام احکام تکلیفیہ ایک ساتھ نافذ کئے گئے تو عام لوگوں پر کراں سوں گے ان کے حقائق و تفصیلات اور مصالح و اسرار کا سمجھنا، یہاں رہنا، میں رسوخ نہ مل کرنا بھی دشوار ہوگا۔ اس لئے آیات احکام بھی تدریجاً نازل ہوئیں۔

ہاں جب لا کھوں صحابہ کی ایک عظیم جماعت عقائد و احکام، اصول اور فروع

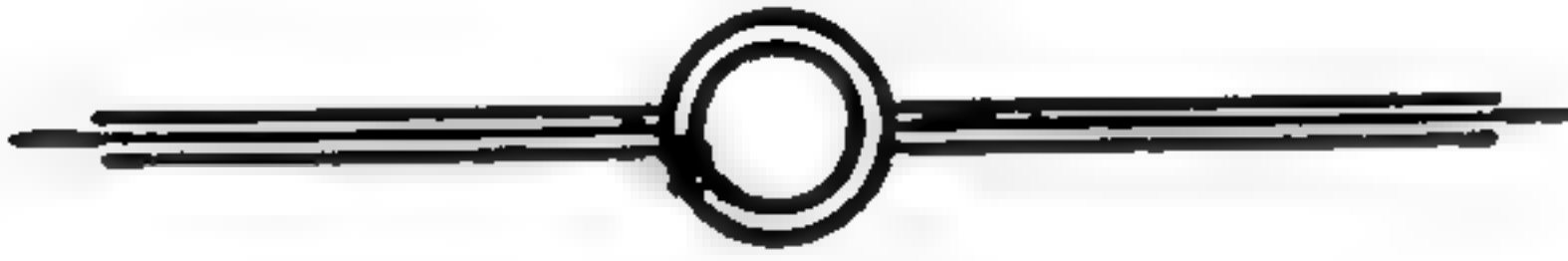
علوم اور اعمال میں راسخ ہو کر اگلے ادوار کے لئے نمونہ بن چکی، اور دین کی تکمیل ہو گئی تو انہیں دیکھ کر اور ان سے سیکھ کر بعد والوں کے لئے ایمان و عقائد میں صلابت و مسائل میں کمال اور اعمال و علوم میں ثبات و رسوخ کی راہ کھل گئی اور پورے قرآن کو اس کی اصل ترتیب کے ساتھ سیکھنا پڑھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ان کے لئے آسان ہو گیا۔

قرآن و حدیث اور تاریخ و سیر کی کتابیں شاید ہیں کہ عہد رسالت کے اواخر اور زمانہ خلافت تابعین میں جو لوگ بھی داخل اسلام ہوتے ان پر جملہ احکام دین کی پابندی ابتداء ہی لازم ہوتی اور قبول اسلام کے ساتھ ہی وہ عقائد و اصول کی طرح تمام احکام تکلیفیہ کے لئے بھی خود کو آمادہ و تیار پائے۔

بر خلاف اس کے اوائل نزول اور ابتدائے اسلام میں لوگوں کے لئے صرف قبول اسلام اور کلمہ شہادت کی تصدیق انتہائی مشکل اور دشوار تھی۔ ابالی دین کا بطلان قلب میں راسخ ہو گیا تو بھی قبول اسلام کے ساتھ کفار کے شنائد و مظالم کی برداشت کے لئے دل و دماغ کا آمادہ ہو نا نہایت اہم مرحلہ تھا۔ ان حالات میں اگر ابتدائے احکام تکلیفیہ کا بھی نفاذ ہوتا تو کتنے افراد کے لئے یہ احکام ہی قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے مختصر یہ کہ

مختصر یہ کہ اسرار و حکم، ربط باہم اور بے حد و نہایت معانی و رموز پر مشتمل قرآن حکیم کی ایک اصلی ترتیب یقیناً تھی۔ وہی زمانہ مابعد میں جاری ہوئی۔ اور اسی ترتیب پر یہ لافانی کتاب لوح محفوظ میں بھی ثبت تھی اور ہے۔ مگر اس کے مشتملات کے نزول اور اس کے قوانین و احکام کے لئے حکمت و ضرورت اسی طریقہ تنزیل اور ترتیب نزول کی متقاضی تھی جو رب کریم کی طرف سے اس وقت عالم ظہور میں آئی۔ ہاں کتابت نہیں بلکہ حفظاً دور رسالت ہی میں قرآن کی اصل ترتیب بھی قائم ہوتی

گئی اور یہ ترتیب قرآن کے دورہ اخیر اور تکمیل نزول پر مکمل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تحصیل کے بعد سینہ حفاظ میں محفوظ رہی۔ ان ہی کے ذریعہ اس کی تعلیم و ترویج بھی ہوتی رہی۔ جب خلفاء کرام کا دور آیا تو قرآن کے حافظ حقیقی نے ان خلفاء کے کئے صحیفوں اور مصحف کی شکل میں ترتیب قرآن کے داعیے پیدا کئے اور انہوں نے بتدریج اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ والذی انزل القرآن اعلم بمصالح عبادہ، وحکم کتابہ واسرار تنزیلہ۔



قرآن کی تدوین ثانی

اور

عہدِ سیدِ یحییٰ کی قرآنی خدمت

یہ بیان گزر چکا کہ عہدِ رسالت میں پورے قرآن کی کتابت ہو چکی تھی۔ مگر اس وقت تک آیاتِ قرآنیہ چیرمی پارسوں، سنسکرتیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر اور غیر مرتب تھیں مرتب اور یکجا اگر تھیں تو حفاظ کے سینوں میں۔ مگر مسلمان ایک ایسے معرکے سے دوچار ہوئے کہ قرآن کی یکجا کتابت ناگزیر ہو گئی۔

تاریخ والنوں کو معلوم ہے کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں دعویٰ نبوت کر چکا تھا۔ وفاتِ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جب بہت سے قبائل عرب اسلام سے منحرف ہوئے تو مسیلمہ بھی زور پکڑ گیا اس کے شروفتہ کی مدافعت کے لیے اللہ نے امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں کثیر جماعت صحابہ پر مشتمل ایک فوج بھیجی جس نے مسیلمہ اور اس کے حامیوں سے سخت معرکہ آرائی کی۔ مسیلمہ خائب و خاسر ہوا اور قتل کیا گیا تاریخ میں یہ معرکہ جنگِ یمامہ کے نام سے مشہور ہے اس جنگ میں قریباً بارہ سو صحابہ کرام شہید ہوئے۔ یعنی و مرقات میں ہے کہ صرف حفاظِ شہداء کی تعداد سات سو تک تھی۔ یہ تعداد اس زمانہ کے لحاظ سے کچھ بعید از قیاس نہیں

کیونکہ اس وقت صحابہ کی تعداد تقریباً سو لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ امور خیر میں ان کے معروف جذبہ مسابقت اور حفظ قرآن کی ضرورت، فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر اس دور میں ہزار ہا ایسے افراد کا پیدا ہو جانا جنہیں پورا یا اکثر قرآن یاد ہو۔ کوئی بعید نہیں۔ ان حالات میں ایک عظیم جماعت سے سات سو حفاظ کا شہید ہو جانا بالکل قرین قیاس ہے۔

بہر حال اس معرکے میں حفاظ قرآن کی اتنی کثیر تعداد میں شہادت ہوئی کہ یہ ایک ایسا دل گداز واقعہ بن گیا جس نے صحابہ کے اس باب حل و عقد کو چومکا دیا۔ قرآن کی یکجا کتابت لازمی سمجھی گئی۔ اور خلافت اسلامیہ کی نگرانی میں قرآن کی تدوین ثانی کا کام شروع ہوا۔

امام احمد، امام بخاری، ترمذی، نسائی، ابن حبان (فی الصحیح)، طبرانی (فی الکبیر)، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی داؤد (فی المصاحف)، ابوداؤد طیالسی، ابن سعد اور عدنی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تدوین ثانی کی تفصیل یوں روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا میں ان کے یہاں حاضر ہوا تو حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا اے عمر نے مجھ سے آکر کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی شدید خونریزی ہوئی ہے مختلف معرکوں میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سارا قرآن (ان کے ساتھ ہی) چلا جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ "جمع قرآن" کا حکم دیں۔ اس پر میں نے عمر سے کہا ہم کوئی ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا ہو اللہ خیر بخدا یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ عمر مجھ سے اس معاملے میں گفت و شنید کرتے رہے یہاں تک کہ

اس کے لئے اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر نے مجھ سے فرمایا، تم عقلمند جوان ہو، تم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے تم تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ تم تلاش و تتبع اور چھان بین کر کے قرآن جمع کرو۔
حضرت زید فرماتے ہیں۔

فواللہ لو کلفونی ثقل جبل
من الجبال ما کان اثقل
مما امرنی بہ من
جمعہ القرائن
خدا کی قسم اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے
دوسری جگہ لیجانے کا حکم دیتے تو
یہ مجھ پر ”جمع قرآن“ کی اہم ذمہ داری
سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

میں نے عرض کیا آپ حضرات ایک ایسا کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ صدیق اکبر نے جواب دیا ہو واللہ خیر خدا کی قسم! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔

فلم یزل یدرجعنی ابوبکر
حتی شرح اللہ صدری
للذی شرحہ صدر ابی بکر
عمر۔
اس پر ان سے میری گفت و شنید
جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول
دیا جس کے لئے ابوبکر و عمر رضی اللہ

فتبعت القرآن اجمعہ
من العسب واللخاف
وصدور الرجال۔
تعالیٰ عنہا کا سینہ کھول دیا تھا۔ تو
تلاش و تتبع اور چھان بین کر کے میں
درخت خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں
اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا

یہاں تک کہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ لفظ جاء کمر رسول من انفسکم
 عزیز علیہ ما عنتم سے آخر سورۃ تک (کل دو آیتیں) میں نے حضرت ابو خزیمہ
 انصاری کے پاس پایا۔ ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ اس تدوین سے
 صحیفے تیار ہو گئے ہر سورۃ ایک الگ صحیفے میں تھی اس طرح سورۃ کی تمام آیات
 یک جا ہو گئیں، یہ صحیفے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ان ہی کے
 پاس رہے ان کے بعد حضرت عمر کے پاس آئے ان کی شہادت کے بعد ام المومنین
 حضرت حفصہ بنت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۴۴، کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۹)

۱۔ بعض روایات میں خزیمہ بن ثابت ہے، مگر فتح الباری میں فیصلہ یہ کیا ہے کہ عہد عثمانی میں
 جن کے پاس آیت احزاب علی وہ خزیمہ بن ثابت انصاری ہیں اور عہد صدیقی میں آخر سورۃ
 توبہ جن کے پاس علی وہ ابو خزیمہ بن ادس ہیں علامہ قسطلانی نے بھی علامہ ابن حجر ہی کی تائید
 فرمائی اور بتایا ہے کہ یہ اپنی کینت ہی سے مشہور ہیں نام دریافت نہ ہوا۔ علامہ علاء الدین
 علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی معروف بہ خازن اپنی تفسیر باب التاویل فی معانی التنزیل
 کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ حدیث اول میں ابو خزیمہ بن ادس بن زید بن اصرم بن
 ثعلبہ بن عمر بن مالک بن بخار انصاری ہیں جو بدر اور اس کے بعد کے غزوات و مشاہد
 میں شریک ہوئے۔ خلافت عثمانی میں وفات پائی ان ہی کے پاس آخر سورۃ توبہ ملی۔ علامہ
 ابن عبد البر نے یوں ہی ذکر فرمایا ہے اور حدیث ثانی میں ابو عمارہ خزیمہ بن ثابت بن
 الناکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ خطمی اسی انصاری ہیں جو صاحب شہادتین سے مشہور ہیں۔
 بدر اور بعد کے غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے جنگ صفین ۳۵ھ میں حضرت علی بن ابی
 طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ اسی میں اپنے حریف کے ہاتھوں وفات پائی۔

تدوین ثانی کے خلاصہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کی تدوین اور آیات قرآن کی تحقیق و تفتیش اور تلاش و تتبع میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھے۔

(۱) اہمہ رسالت کا کتابت شدہ قرآن، چرمی پارچوں، سنگی تختوں، اور دوسری چیزوں میں منتشر تھا، یکجا کر کے پیش نظر رکھا۔ یہ وہ اصل تھی جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا تھا، اور حسب روایت حضرت زید، بعد املا پڑھا کر سنا تھا۔ جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت تھی، اصلاح بھی فرمادی تھی۔

(۲) لوگوں کے پاس، صحیفوں، تختوں یا دوسری چیزوں میں جو مختلف نسخے اور اجزاء تھے سب حتی الامکان جمع کر کے پیش نظر رکھے۔

(۳) ہر آیت کی تصدیق کم از کم دو حافظوں سے کرتے جاتے۔ مزید برآں خود بھی حافظ تھے۔

اس عظیم اہتمام اور تفتیش و تحقیق کے ذکر میں حدیث مذکور کے علاوہ، اور بھی احادیث ہیں جن سے قدرے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدوین ثانی کتنی مشقت اور جہاں فشانی کے ساتھ انجام دی گئی ہے۔ مثلاً:

ابن ابی داؤد مصاحف میں ہشام بن عروہ سے راوی میں ہیں۔

قال لما استحر القتل بالقراء فوق
ابوبکر علی القرآن ان یضیع فقال
لعمربن الخطاب ولزید بن
ثابت اقعدا علی باب المسجد
فمن جاء کسا بشا
هدین علی شیء من
وہ فرماتے ہیں جب قتل شدید خوہریزی
ہوئی حضرت ابوبکر کو قرآن کے ضائع
ہونے کا اندیشہ ہوا حضرت عمر
بن خطاب اور حضرت زید بن ثابت
سے فرمایا دروازہ مسجد پر بیٹھو
تہا رے پاس جو شخص کتاب اللہ

کتاب اللہ فاکتبا ہ
(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۰)
کے کسی حصے پر دو گواہ لائے تو اسے
لکھ لو۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ رجالہ ثقات مع انقطاع۔ یہ حدیث
اگرچہ منقطع ہے مگر اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اتقان ج ۱ ص ۶۰)
ابن سعد نے بھی بروایت ہشام بن عروہ ان کے والد سے اس کے ہم معنی حدیث
روایت کی ہے۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۰)
ابن اشتر نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کی ہے۔

اول من جمع القرآن ابو بکر
وکتبه زيد، وكان الناس
ياتون زيد بن ثابت فكان
لا يكتب اية الا بشاهدي
عدل۔ وان اخره سورة براءة
لم توجد الا مع ابى خزيمة بن
ثابت فقال اكتبوها
فا ن رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم جعل شهادته
بشهادة رجلين۔
(اتقان جلد ۱ ص ۶۰)
مغازی موسیٰ بن عقیقہ میں ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔
جب مسلمان یمامہ میں شہید ہوئے
تو حضرت ابو بکر گھبرائے۔ اور انہیں ایڑہ

قال لما حبيب المسلمون باليمامة
نزع ابو بكر وخاف ان يذهب
جب مسلمان یمامہ میں شہید ہوئے
تو حضرت ابو بکر گھبرائے۔ اور انہیں ایڑہ

من القرآن طائفة فاقبل
الناس بما كان معهم وعند
هم حتى جمع على عهد ابی بکر
فی الورق فكان ابو بکر اول
من جمع القرآن فی
المصحف ۔

(اتقان ۱۶۰ ص ۶۰ نو ۱۸۴)

حضرت عمارت محاسنی کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے
کہ یہ اعتماد کیونکر پیدا ہو سکا کہ لوگ چرمی پارچوں میں جو کچھ پیش کر رہے ہیں یا زبانی
جو کچھ سن رہے ہیں یہ سب قرآن ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک کلام معجز
اور نظم معروف پیش کرتے جس کی تلاوت ذمہ داران تدوین نے خود نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھی اس لیے غیر قرآن کو (قرآن بنا کر) غلط طور پر
پیش کرنے کا خدشہ نہ تھا۔ اندیشہ بس یہ تھا کہ ان صحیفوں سے کچھ ضائع نہ ہوا ہو۔

(اتقان ج ۱ ص ۶۰ نو ۱۸۴)

روایات میں آیا ہے کہ آخر برأت کی دو آیتیں | **آخر برأت کی دو آیتیں**

صرف حضرت خزیمہ کے پاس ملیں اس پر
یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ بعض قرآن احاد سے لیا گیا ہے اور غیر متواتر ہے۔
علامہ ابن حجر وغیرہ متعدد ائمہ فن بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں یقیناً دوسرے حضرات
کو بھی یاد تھیں مگر تحریری شکل میں صرف حضرت خزیمہ کے پاس تھیں۔

روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ اپنے رسالہ

”تفسیر لقد جاءكم الخ میں فرماتے ہیں

ابوداؤد نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور ابن الستی نے ان ہی سے مرفوعاً روایت کی در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو شخص صبح و شام "حسبی اللہ لا الہ الاہو علیہ توکلت و هو رب العرش العظیم" سات بار پڑھے اللہ تعالیٰ ہر شکل دنیا و آخرت میں اس کی کار سازی فرمائے۔

حسبی اللہ لا الہ الاہو الایۃ۔ ان دو آیتوں میں سے ایک ہے جب حضرت ابوالدرداء اس کے راوی ہیں تو ان کی یاد میں بلاشبہ یہ آیت تھی پھر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس آیت کا وظیفہ بتایا تھا تو یہ آیت بہت سے ان لوگوں کو بھی یاد رہی ہوگی جو پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔ پھر یہ خیال کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ آخر برات کی دونوں آیتیں حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کسی کو یاد بھی نہ تھیں اور بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے۔

مسند امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حارث بن خزیمہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ دو آیتیں (لقد جاءکم الخ) پیش کیں۔ حضرت عمر نے فرمایا تمہارے ساتھ اس بکر و سرانہ کون ہے؟ انہوں نے کہا۔ مجھے معلوم نہیں مگر خدا کی قسم میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ دونوں آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

واخرج ابوداؤد عن ابی الدرداء موقوفاً وابن الستی عنہ مرفوعاً من قال حین یصبو ویسبی حسبی اللہ لا الہ الاہو علیہ توکلت و هو رب العرش العظیم۔ سیدہ مرات کفاه اللہ ما اہم من امر الدنیا والآخرۃ۔

(رسالہ منقولہ در اکلیل حاشیہ مدارک التنزیل ص ۳۱۵ ج ۴)

لا ادری او واللہ انی اشہد لسمیعہما من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ووعیتہما وحفظتہما فقال
عمر وانا شہد لسمعتہما من
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
(قسط لانی ج ۷ ص ۱۳۱)
سے سنی، سمجھی اور یاد رکھی ہیں تو حضرت
عمر نے فرمایا میں بھی شہادت دیتا ہوں
کہ میں نے یہ آیتیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ عارت بن خنزیرہ ایک دوسرے صحابی ہیں۔ انہیں بھی
یہ آیتیں یاد تھیں۔ فاروق اعظم کو بھی، اس طرح حضرت خنزیرہ، عارت بن خنزیرہ
اور فاروق اعظم کو ان آیات کا یاد ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔
ایک روایت سے حضرت عثمان کو اور ایک روایت سے حضرت الجاہن کعب کو بھی
یاد ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔

(ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج ۷ ص ۱۳۱)

اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان روایات سے عدم تواتر کا غلط
نتیجہ نکالنا صرف کوتاہ اندیشی کی پیداوار ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ تدوین ثانی کی غرض و
غایت کیا تھی؟ اور اس تحقیق و تفتیش، دو شاہدوں کی تلاش، مکتوبہ اجزاء کی چھان بین
کا مقصد کیا تھا؟

کیا حضرات جامعین کو قرآن یاد نہ تھا؟ ان کے پاس قرآن کی تدوین اول نہ تھی؟
یا کچھ آیات قرآنیہ کا انہیں کوئی علم نہ تھا؟ لہذا شہاد تول اور قرآن کے ذریعہ ان
آیات کی قرآنیت کا اثبات انہیں مطلوب تھا؟ ہرگز نہیں! اگر اثبات قرآنیت ان کا مقصد
ہوتا تو وہ کثرت حفاظ کے باوجود صرف دو شاہدوں پر اکتفا کیوں کرتے؟ ثبوت قرآنیت
کے لئے تعدد تواتر شرط ہے۔ ایک مدعی، دو شاہد کل تین آدمیوں سے بھلا کس کے نزدیک عدد
تواتر پورا ہوتا ہے؟ اگر ثبوت قرآنیت فراہم کرنا ہی ان کا مقصد ہوتا تو وہ ہر آیت پر
ایک ہفتا کثیرہ کی شہادت طلب کرتے اور کثرت حفاظ کے باعث ان کو ہر آیت پر کثرت
گواہ مل بھی جاتے۔ مگر کسی روایت میں نہیں ملتا کہ انہوں نے جماعت کثیرہ کی شہادت
حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔

پھر کیا انہیں کسی آیت کی قرآنیت سے متعلق کوئی شبہ تھا جس کے ازالے کے لئے انہوں نے دو تیس آدمیوں کی گواہی کافی سمجھی؟ ایسا بھی نہیں۔ تدوین ثانی میں ایسا کوئی مقصد کارفرما نہ تھا۔ قرآن تو عہد رسالت ہی میں متواتر تھا۔ ہزاروں حفاظ پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت زید، فاروق اعظم اور صدیق اکبر خود حافظ تھے۔ انہیں جو کچھ یاد تھا (یعنی پورا قرآن) اس کی تلاوت خود جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سن چکے تھے ان کی املا کرائی ہوئی یادداشتیں ان کے پیش نظر تھیں۔ ناسخ و منسوخ سے وہ اچھی طرح باخبر تھے ہر آیت کی قرآنیت کا انہیں یقینی و قطعی علم حاصل تھا۔ اس لیے اپنے کسی شک کے ازالے یا کوئی "نیا تواتر" فراہم کرنے کی ہرگز انہیں کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

تدوین ثانی کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن کا ایک نسخہ مجتمع شکل میں تیار ہو جائے اور وقت ضرورت وہ مرجع و معتمد بن سکے۔ اس کے لئے منتشر اجزاء کو یکجا کر کے ترتیب سے لکھ لینا کافی تھا اور دو شاہدوں کی تلاش تفتیش و تحقیق دوسرے نوشتوں کی چھان بین محض اطمینان کلی، احتیاط مزید اور تنقیح کمال کے لئے تھی۔ لہذا ذمہ داران جمع و تدوین اگر کسی آیت متواتر کو بغیر کسی شہادت کے لکھ لیتے تو بھی ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

شک نیست کہ قرآن معلوم بود بالقطع	اس میں شک نہیں کہ قرآن قطعی اور
والیقین و معروف بود نزد ایشاں متمیز	یقین کے ساتھ معلوم تھا اور ان کے
از ما سوائے خود و جمع علیہ میان ہمہ۔	نزدیک غیر قرآن سے ممتاز، سب کا
نہ آنکہ مشتبہ بود، و چیزے ازاں	جانا پہچانا اور سب کا اجماعی و متفق علیہ
نزد بعضے بود کہ مردم دیگر آنرا نمی	تھا۔ ایسا نہیں کہ مشتبہ رہا ہو یا کسی

شناختند یا منکر بودند قرآنیت انرا
واثبات می کردند انرا بحلف و شہادت
حاشا و کلامی دانستند انرا بتالیف
معجز و نظم معروف و بہ تحقیق مشاہدہ
کردند تلاوت انرا از آل حضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدت بیست
سہ سال و یادداشتند مجموعہ آل را
جمعے از صحابہ پس از خلط چیزے کہ
نہ از قرآن است مامون بودند
و این تحقیقات و نفیسات برائے تقریر
و تاکید بود کہ اصل و معتدال بود۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۶۲ طبع نہم
۱۹۶۳ء مطبع منشی تیجما رکھنوم)

کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ایسا تھا
جس سے دوسرے حضرات نا آشنا یا
اس کی قرآنیت کے منکر تھے اور حلف
شہادت سے اس کا ثبوت فراہم کر رہے
تھے۔ حاشا و کلام ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ
قرآن کو تو یوں بھی اس کی معجزانہ
تالیف اور معروف نظم سے جانتے تھے
اور تیس سال کے عرصے سے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی تلاوت
کی سماعت اور اس کا تحقیقی مشاہدہ کیا
کرتے تھے مزید برآں صحابہ کرام میں
ایک جماعت پورے قرآن کی حافظ
موجود تھی۔ اس لئے وہ اس بات سے
مامون تھے کہ کوئی آدمی کسی غیر قرآن
کو قرآن سے مخلوط کر سکے۔ یہ ساری
تحقیقات و نفیسات صرف اس کی تائید و
تاکید کیلئے تھیں جو انکی اصل و معتد تھی۔

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نقل روایات و اقوال کے بعد فرماتے ہیں

حاصل یہ کہ انہوں نے تدوین و کتابت
اسی وقت کی جب ان کے پاس دلیل
قطعی سے لفظ کا اور دلیل ظنی سے کتابت

والحاصل انہم ما جمعوا الا
بعد ما ثبت بالدلیل القطعی
لفظہ۔ وبالذلیل الظنی کتابتہ

(مرقاۃ جلد ۲ ص ۶۲۸) کاشوت ہو گیا۔

یعنی آیات قرآنیہ کاشوت تو اترا اور دلیل قطعی سے تو انہیں حاصل ہی تھا۔ مزید برآں تنقیح سے کام لیا۔ پھر کتابت شدہ اجزاء کوئی پیش کرتا تو اس کے لئے بھی دو شاہد تلاش کرتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے۔ یا سرکار کی املا کروہ یادداشتوں ہی سے اسے نقل کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ کتابت پر بھی دلیل ملنی فراہم کر لیتے۔

پھر یہ اعلان کہ ”جس کے پاس جو کچھ قرآن حفظ یا تحریر کی صورت میں ہوئے آئے“ میری نظر میں غرض تقریر و تاکید کے علاوہ ایک اور حکمت پر مبنی ہے وہ یہ کہ آئندہ زمانوں میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میرے پاس ایک یا چند آیات قرآنیہ تھیں جن کی کتابت ان صحیفوں میں نہ ہو سکی لہذا یہ صحائف ناقص ہیں اس اعلان اور اس پر عمل کے باعث یہ خدشہ جاتا رہا۔ جس کے پاس جو کچھ تھا پیش کر دیا اور اطمینان ہو گیا کہ اب آئندہ کوئی نیا دعویٰ نہ ہوگا۔ اگر کسی نے دعویٰ کیا تو اس پر خود ہی الزام عائد ہو جائے گا کہ تم نے عہد تدوین میں اپنا بیان کیوں نہیں پیش کیا۔ اور قرآن کریم کے معاملے میں سستی اور مسابہت کیوں اختیار کی؟

اور دو شاہدوں کی شرط اس لئے رکھی گئی کہ پیش کرنے والا بھی محتاط ہو کر پیش کرے۔ اگر صرف ایک آدمی کا بیان کافی قرار دیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی شخص ایسا کوئی حصہ لے آئے جس کے متعلق اس کا گمان غالب ہو کہ یہ قرآن غیر منسوخ ہے اور درحقیقت وہ سرے سے ہی قرآن نہ ہو یا ہو تو منسوخ ہو۔ اس شرط کے پیش نظر اب اگر کوئی پیش کرتا تو قطعیت اور یقین کے ساتھ۔ اور وہ بھی جب اپنے موافق دو گواہ پالیتا اور جو شخص اپنی یادداشت پر دو گواہ بھی

نہ پاتا اسے خود ہی اس بات کا احساس و اعتراف ہو جاتا کہ واقعہً یہ اگر سہم آیت قرآنی ہوتی تو ہزاروں صحابہ میں سے کم از کم دو آدمی تو میرے مؤید ضرور مل جاتے جب اور کوئی اسے آیت قرآنی نہیں کہتا تو یقیناً میرے ہی حفظ و ظن کی خطا ہے۔

علاوہ ازیں دو شاہدوں کی شرط والے عام قانون کے باعث ہر بیان کی تنقید و تنقیح سہل ہو گئی کوئی عظیم شخصیت بھی اپنے بیان پر دو شاہد نہ پیش کر سکی تو قانون عام کے تحت اسے رد کرنے میں جامعین کو کوئی تکلف نہ تھا نہ اس شخصیت کو اپنے بیان کے عدم قبول پر کسی رد و کد کی گنجائش۔

الغرض صحابہ کرام اس طرز تنقیح کے باعث اُندم کے کسی ادعائے مبنی برظن و سہو سے "اصولی طور پر" مامون و مطمئن ہو گئے۔ اور مدعیان نقص کے نقول کی بھی اسی دور میں قانونی پیش بندی ہو گئی۔ البتہ عناد محض کا کسی دور میں کوئی علاج تجویز نہ ہو سکا۔

کیا تدوین ثانی بدعت ہے؟
 علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کی جو خدمت انجام دی ہے اس پر بعض روافض کو یہ اعتراض سوچا ہے کہ ان کے لئے وہ کام کیسے روا ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟

پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا اس جائز و مستحسن اجتہاد کے پیش نظر کیا جو اللہ کی کتاب اس کے رسول اکرمؐ مسلمین اور عام مومنین کے لئے بھلائی اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت قرآن کی اجازت دی۔ اور اس کے ساتھ غیر قرآن کو لکھنے سے منع فرمایا۔ پھر حضرت ابو بکر نے کوئی نئی چیز نہ لکھوائی بلکہ اسی کو لکھنے کا حکم دیا جو عہد رسات

میں لکھا جا چکا تھا۔ جبھی تو حضرت زید نے یہاں تک احتیاط برتنی کہ آخر برأت کی آیتیں اس وقت تک نہ لکھیں جب تک انہیں تحریری شکل میں نہ ملیں۔ حالانکہ یہ آیتیں خود انہیں اور دوسرے لوگوں کو یاد تھیں۔ مزید فرماتے ہیں۔

واذا تأمل المنصف ما فعله
ابوبکر من ذلك جزاء
بانه يعد من فضائله وينوه
بعضه منقبة للثبوت قوله
صلى الله تعالى عليه وسلم
"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ
سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُ
هَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ
بِهَا" فما جمع القرآن احد
بعده الا وكان له مثل
اجره الى يوم القيامة -

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۰)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورۃ الصدر تفصیل سے بھی واضح ہے کہ اس اعتراض کا جواب تو اسی وقت دیدیا گیا جب فاروق اعظم نے اس کے جواز پر یوں استدلال کیا کہ "هو الله خير" صدیق اکبر نے بھی یہی فرمایا "بخدا کام تو اچھا۔" جس سے یہ معلوم ہوا کہ جو کام اچھا ہو کسی دور میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ ابن بطال فرماتے ہیں۔

وذلك على ان فعل الرسول
اذا تجرد عن القرائن وكذا تركه
لا يدل على وجوب وتحريم
(فتح الباری ج ۹ ص ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی دلیل
قرینہ موجود نہ ہو تو فعل رسول سے
وجوب، اور ترک سے حرمت
ثابت نہ ہوگی۔

منکرین فضائل اعمال خیریں اسی طرح کے شیطانی خیالات و اعتراضات
پیش کیا کرتے ہیں۔ ورنہ ابھی آپ نے مسلم شریف کی حدیث ملاحظہ کی کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے نیک کاموں کی ایجاد اور ان پر عمل کرنے کی
اجازت بلکہ ترغیب دی ہے۔

بہر حال جمع قرآن صدیق اکبر کا زبردست کارنامہ اور امت مسلمہ پر ان کا احسان
عظیم ہے جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل و محاسن میں شمار کیا جائے گا۔ امیر المومنین
حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تدوین قرآن میں حضرت صدیق اکبر
کی فضیلت و اولیت کا برملا اعتراف کیا ہے۔

ابن سعد البوعلی (مسند میں) ابو نعیم (معرف میں) حشیمہ ابن ابی داؤد۔
(فضائل الصحابة فی الصحاف میں) اور ابن مبارک حضرت علی المرتضیٰ اللہ تعالیٰ عنہ
سے بسند حسن راوی ہیں۔

قال۔ اعظم الناس فی المصاحف
اجرا ابو بکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر
هو اول من جمع کتاب اللہ۔
(کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۹)

مصحف میں سب سے زیادہ عظیم
اجر حضرت ابو بکر کا ہے ابو بکر پر اللہ
کی رحمت ہو۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں
نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۹)

عہد عثمانی

اور

تسرن کی تدوین ثالث

پچھلے اردو کے بعض محاورات والفاظ میں خود فصحاء

اختلاف لغات

اہل زبان کا اختلاف ہے اسی طرح مختلف قبائل عرب

کا عربی زبان میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ مثلاً جس کلمہ مضارع کا عین ماضی میں مکتوب

ہو اس کی علامات مضارع۔ ا۔ ت۔ ن کو غیر اہل حجاز کسرہ دیتے۔ اسی طرح علامت

مضارع۔ ی۔ کو جبکہ اس کے بعد کوئی دوسری یا ہو۔ اس لئے وہ تَعْلَمُ کو تَعْلَمُ

يَقِظُ کو يَقِظُ بولتے۔ (شرح کافیه للرضی ص ۱۸۷ ج ۲ مطبوعہ نزلکشر لکھنؤ ۱۲۷۹ھ)

بنی ہذیل حتی کو عتی کہتے۔ اہل مدینہ کے یہاں قابوت کا تلفظ قابوہ

تھا بنی قیس کا ت تانیث کے بعد۔ ش۔ بولتے۔ ضریک کی بجائے ضریکیش

کہتے اس طریق تلفظ کو کشکشہ قیس سے تعبیر کیا جاتا۔ بنی تیمم "اُن" ناصبہ کو "عن"

کہتے۔ اسی طرح ان کے نزدیک "لیس" کے مشابہ "ماولا" مطلقاً عامل نہیں

"ماہذا البشر" ان کے لغت پر "ماہذا البشر" ہوگا اس طرح کے

بہت سے اختلاف تھے۔

یوں ہی طرز ادا مثلاً تغنیم و ترقیق (پُر اور باریک پڑھنا) ادغام، اظہار

امالہ تحقیق ہمزہ تخفیف ہمزہ وغیرہ میں اختلاف تھا۔

قرآن کریم پہلے ایک زبان، زبان قریش میں نازل ہوا۔ جیسا کہ حضرت عثمان کی حدیث میں آ رہا ہے اور فاروق اعظم کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے ابن الانباری نے وقف میں ابوداؤد نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو "لِیْسَجُنَّ عَتٰی حِیْنَ" پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا تمہیں یہ کس نے پڑھایا؟ عرض کیا حضرت ابن مسعود نے۔ فاروق اعظم نے اس کی اصلاح فرمائی۔ "لِیْسَجُنَّ حَتّٰی حِیْنَ" پھر حضرت ابن مسعود کو خط لکھا۔

سلام علیک اما بعد۔ فان الله انزل القرآن فجعله قراانا عربيا مبينا. وانزل بلفظة هذا المحي من قریش۔ فاذا اتاك كتابي هذا فاقرأ الناس بلفظة قریش ولا تقرهم بلفظة هذید۔
 انہیں بعد سلام معلوم ہو کہ اللہ نے قرآن نازل فرمایا تو اسے "قرآن عربی مبین" فرمایا۔ اور اس قبیلہ قریش کی زبان میں انار۔ تو میرا یہ خط پانے کے بعد تم لوگوں کو زبان قریش کے مطابق قرآن پڑھاؤ۔ قبیلہ ہذیل کی زبان میں نہ پڑھاؤ۔

کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۵۔ فتح الباری

ج ۹ ص ۱۰۷ حوالہ ابوداؤد

مگر ابتداء جبکہ مختلف قبائل عرب اسلام میں نئے نئے داخل ہو رہے تھے، اور ان میں بوڑھے، بچے، جوان، مرد اور عورت، خواندہ ناخواندہ سمجھی تھے، تو ایسی حالت میں سب کے لئے زبان قریش کی پابندی اپنے قبیلے کی زبان اور طریق ادا کا ترک بہت دشوار تھا۔ اگر سب کے لئے یہ پابندی لگا دی جاتی تو بہت کم لوگ قرآن سیکھ پاتے حالانکہ احکام دین کی اشاعت کے پیش نظر قرآن کی بھی تعلیم و اشاعت ضروری تھی۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خداوند کریم سے دعائے تسہیل کی فرماتے ہیں۔

ارسل الی ان اقرأ القرآن
 علی حرف فرددت الیہ
 ان هوّن علی امتی
 فردّ الی الثانیۃ اقرء
 علی حرفین فرددت
 الیہ۔ ان هوّن علی امتی
 فردّ الی الثالثۃ اقرءہ علی
 سبعة احرف وللبکل
 ردة ردّدتکما مسئلة تسأ
 لینہما، فقلت اللهم اغفر
 لامتی اللهم اغفر لامتی
 واخبرت الثالثۃ لیوم
 یرغب الی الخلق کلہم حتی
 ابراہیم علیہ السلام
 (مسلم شریف)

باری تعالیٰ کی طرف سے مجھے پیغام ملا
 کہ ایک حرف (زبان) پر قرآن پڑھوں
 میں نے بارگاہ ایزدی میں رجوع کیا
 کہ میری امت پر آسانی فرما دوسری
 بار جواب ملا۔ دو حرف بالوں پر پڑھو۔
 میں نے پھر اس کی بارگاہ میں رجوع
 کیا کہ میری امت پر آسانی فرما تیسری
 بار جواب آیا سات زبانوں پر پڑھو
 اور ہر بار کی مراجعت و جواب کے بدلے
 تمہیں حج سے ایک دعا کرنے کا حق
 دیا جاتا ہے (جو قبول ہوگی۔ تو تین بار
 کے بدلے تین
 دعا اور اس کی مقبولیت حضور کو دی
 گئی) میں نے عرض کیا خداوند ا میری
 امت کی مغفرت فرما۔ خداوند ا میری
 امت کی مغفرت فرما۔ اور تیسری دعا
 میں نے اس دن کے لئے اٹھا رکھی جس
 دن ساری مخلوق میری مشاق را اور
 میری شفاعت کی طالب ہوگی یہاں

تک کہ لا ذوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم
علیہ السلام (جو بعد سرور کائنات تمام
انبیاء و رسل سے افضل ہیں علیہ علیہم
الصلوة والسلام)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ انزل القرآن علی سبعة احرف (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ثانی)
قرآن سات حرفوں (زبانوں) پر نازل فرمایا گیا۔
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال ابن حجر۔ الجملة الاولى
جاءت من احد وشرین صحابیا
ومن ثم نص ابو عبید علی انما متواترة
ای معنی واختلفوا فی معناها
علی اربعین قولا۔
امزاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۲۳
علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ حدیث کا پہلا
جملہ (عبارت مذکورہ) اکیس صحابہ
سے مروی ہے۔ اسی وجہ سے ابو عبید
نے نص فرمایا ہے کہ یہ حدیث معنی
متواتر ہے اور اس کے معنی کی تعیین
میں چالیس مختلف اقوال ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

اکثر برائند کہ مراد بآں ہفت لغت
است کہ در عرب مشہور است و
مشہود بفصاحت بودند و آل لغت
قریش و طے و ہوازن و اہل یمن و ثقیف
و ہذیل و بنی تمیم است۔
(اشعة اللمعات ج ۱ ص ۱۶۶)
اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ سات
حرفوں سے مراد وہ سات زبانیں
ہیں جو عرب میں مشہور تھیں اور جن کے
فیض ہونے کی شہادت موجود ہے۔
وہ قریش، طے، ہوازن، اہل یمن
ہم ثقیف، ہذیل، بنی تمیم کی

زبانیں ہیں۔

اذن باری مل جانے کے بعد لوگوں کو ان سات زبانوں پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان زبانوں پر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے اسی لئے عہد رسالت میں متعدد واقعات اس طرح کے پیش آئے کہ ایک شخص کی قرأت کو دوسرا شخص اپنی قرأت کے مخالف پا کر اس سے بحث کر بیٹھا۔ اور معاملہ بارگاہ رسالت تک پہنچا تو سرکار نے دونوں کی تصدیق فرما کر بتایا کہ قرآن کی تلاوت میں رخصت اور آسانی دی گئی ہے۔

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم کو سورہ فرقان کی قرأت کرتے ہوئے سنا۔ ان کی قرأت اس کے مخالف تھی جو میں پڑھتا تھا اور جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا تھا۔ (اس لیے یہ مخالف قرأت سن کر مجھے غصہ آیا) اور قریب تھا کہ میں ہشام پر جلدی کروں، پھر میں نے انہیں اتنی مہلت دی کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ پھر ان کے گلے میں ان کی چادر ڈالے ان کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس سے سنا کہ وہ سورہ فرقان اس قرأت کے خلاف پڑھ رہا ہے جو آپ نے مجھے پڑھائی ہے۔ سرکار نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ ان سے فرمایا پڑھو۔ انہوں نے پھر اسی طرح پڑھا جس طرح پڑھتے ہوئے میں ابھی سن چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یوں ہی نازل ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو! میں نے بھی پڑھا تو فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

ان هذا القرآن انزل علی سبعة یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا

احرف قاقرا و اما تیسر منہ (بخاری ج ۲ ص ۲۴۴) ہے تو جو اسان ہو پر مضمون۔

بالفاظہ ج ۱ ص ۲۴۲، منذ امام احمد ج ۱ ص ۶۶

تفسیر ابن جریر ج ۱ مقدمہ

ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔

اس طرح کا واقعہ متعدد صحابہ کے درمیان پیش آیا حضرت عمر و شہام
ہی کی طرح ابی بن کعب کا عبداللہ بن مسعود کے ساتھ سورہ نحل میں حضرت
عمر و ابن العاص کا ایک آیت قرآنی میں ایک اور شخص کے ساتھ اور حضرت
ابن مسعود کا آل حم کی ایک سورہ میں ایک شخص کے ساتھ اختلاف

ہوا۔ (بخاری مستدر احمد و ابن حبان و حاکم قسطلانی ج ۷ ص ۳۶۱)

واضح رہے کہ زبانوں کے اختلاف سے اصل معانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ سب
کا معنی ایک تھا۔ جلیل القدر تابعی حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔

بلغنی ان تلك السبعة الاحرف
انما هي في الامر تكون واحدا
لا تختلف في حلال وحرام۔
مجبے خبر ملی ہے کہ یہ ساتوں زبانیں دین
کے معاملہ اور حکم میں ایک ہوتیں ان
میں کسی سلا و حرام کا اختلاف نہ تھا۔

(بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۹۲)

مرقات میں ہے۔

قال كثيرون من الائمة انما
كان ذلك اى جواز تغيير
اللفظ بمرادفه وخمة۔ لما كان يفسر
على كثير منهم التلاوة بلفظ واحد
لعدم علمهم بالكتابة
بہت سے ائمہ نے فرمایا ہے کہ لفظ کو اس
کے ہم معنی لفظ سے تبدیل کرنے کا جواز
صرف ایک رخصت تھی اس بنا پر
کہ بہت سے لوگوں کے لئے ایک ہی
لفظ کی تلاوت مشکل تھی۔ کیونکہ کتابت

والضبط واتقان الحفظ فالقرشي شق
عليه تخفيف الهمزة واليمنى
تركه فلذلك سهل
على قبيلة ان تقراء بلفتها - ثم
نسخ بزوال العذر وتيسير
الكتابة والحفظ قلت
وقيه ايماء الى المعتمد من
مذهبنا ان المصلي اذا قرأ ما لم يغير
المعنى لم تفسد صلاته -

(ج ۱ - ص ۲۴۴)

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔

ضبط، اور پختگی حفظ کا طریقہ وہ نہیں
جانتے تھے۔ قرشی پر تخفیف ہمزہ اور یمنی
پر ترک تخفیف شاق تھا۔ اسی لئے اپنی
زبان ولغت میں قرأت کی آسانی بخشی
گئی پھر جب کتابت و حفظ کی سہولت
ہو گئی اور عذر جاتا رہا تو یہ رخصت نہ
رہی میں کہتا ہوں اس میں ہمارے
مذہب کے اس قول مستند کا اشارہ ملتا
ہے کہ اگر مصلی سے ایسی قرأت ہو گئی جس
سے معنی نہ بدلا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

اباحت مذکورہ کی نوعیت یہ نہ تھی کہ آدمی اپنی خواہش کے مطابق کلمہ
کو اس کے مراد سے بدلے بلکہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے سماع پر موقوف تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ
تعالیٰ عنہما کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اقرأنی النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایسا)
پڑھایا اور اگر ہم یہی مان لیں کہ ہم معنی لفظ سے تبدیلی کی عام اجازت
تھی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع حاصل نہ ہو تو
بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب صحابہ کرام
کا اس قرأت پر اجماع ہو گیا جو قرآن کے آخری دورہ رمضان میں
ثابت رہی تو اب وہ اباحت تبدیل ختم ہو گئی (ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ
لوکسور لکھنؤ)

البتہ یہ بات تنقیح طلب ہے کہ عہد رسالت ہی میں اباحت تبدیل ختم ۷ اور ایک لغت پر قرأت قرآن کی پابندی ہوگئی یا بعد میں ہوئی۔ بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ عہد عثمانی میں پابندی ہوئی اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ عہد رسالت ہی میں پابندی ہوگئی تھی۔ اسی کو قاضی ابوبکر بن الطیب، علامہ ابن عبدالبر، علامہ ابن العربی وغیرہم نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ابتدائے امر میں جب اختلاف لغات کے باعث لوگوں کے لئے ایک طریقہ اور ایک لغت کی پابندی دشوار تھی تو ہر ایک کو اپنے طریقہ لغت پر تلاوت کی رخصت دی گئی۔ پھر جب معاملہ ضبط کے تحت آگیا ۷ زبانوں کی مشق ہوگئی۔ اور ایک طرز لغت کی پابندی پر لوگ قابو پا گئے تو عہد رسالت کے آخری رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ "دوبارہ" دورہ قرآن کیا، اور دورہ آخر کی قرأت پر معاملہ ثابت و مستقر ہو گیا تو خدا ہی کی طرف سے اسی طرز مکرر کی پابندی واجب اور گذشتہ رخصت ختم کر دی گئی۔ (ارشاد ساری ج ۷ ص ۳۶۱)

فاروق اعظم کا حضرت ابن مسعود کو قرأت ہذیل سے باز رکھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سابقہ رخصت ختم اور زبان قریش کی پابندی لازم ہو چکی تھی مگر حضرت ابن مسعود کو خبر نہ تھی۔ اس لئے فاروق اعظم نے ان کو متنبہ فرمایا۔

بہر حال اگر یہی مان لیا جائے کہ ایک لغت کی پابندی، عہد عثمانی میں ہوئی تو بھی یہ اعتراض بالکل بے جا اور معاندانہ ہے کہ قرآن سات لغات میں تھا اب ایک ہی لغت میں ہے تو اکثر قرآن منائع ہو گیا (والعیاذ باللہ)

بہت سی احادیث اور کثیر اقوال محققین سے یہی ثابت ہے کہ زبان قریش کے علاوہ دیگر لغات پر قرأت محض ایک رخصت تھی جس کی بنیاد مخصوص حالات و اسباب پر تھی۔ لہذا ان حالات و اسباب اور مصلحتوں کے ختم ہوجانے کے باعث

اگر وہ مخصوص رخصت بھی ختم کر دی گئی تو اس سے قرآن کے کسی حصے کا ضیاع کیسے لازم آیا؟۔ میں کہتا ہوں بطور تنزیل اگر یہی مان لیا جائے کہ قرآن پہلے زبان قریش میں نازل ہوا۔ پھر تیسرا مسات لغات پر اترا۔ مگر جب سرکار کے آخری رمضان میں حضرت جبریل نے قرآن کا دوبارہ دور کیا اور دورہ اخیرہ کی قرأت ثابت و مستقر ہو گئی۔ اور باقی زبانیں اس دورہ میں نہ رہیں تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کامل اور سب کا مزج و معتد یہی ہے جو اس دورہ میں ثابت رہا۔ اور پہلے جو کچھ تھا وہ انقضاء و ضرورت یا کسی بھی مصلحت کے سبب منسوخ ہو گیا چاہے بالعموم لوگوں کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اس سابقہ رخصت پر عمل سے اسی وقت رد کا جائے یا بعد میں اس کی ضرورت سمجھی جائے۔ بہر حال اصل قرآن تو دورہ اخیرہ کا ثابت شدہ قرار پایا۔ اگر معاذ اللہ اس کا کوئی حصہ آج نہ ہوتا تو کوئی ضیاع قرآن کہنے کی جسارت کرتا، مگر قرآن منسوخ کے باقی نہ رہنے کو اکثر قرآن کا ضیاع وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل میں فتور ہوا اور جسے نسخ و ضیاع کے معنی میں بھی کوئی تمیز نہ ہو۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ نسخ کوئی عیب نہیں بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی حکم یا تلاوت یا دونوں ایک مخصوص مدت کے لئے ہوں خواہ پہلے اس مدت کا اعلان نہ ہو اور جب وہ مدت پوری ہو جائے تو وہ حکم یا تلاوت یا دونوں اٹھائے جائیں۔ لوگ اس معاملہ کی تعبیر جس لفظ سے بھی کریں۔ مگر ظاہر ہے کہ مذکورہ حقیقت میں ہرگز کوئی عیب نہیں۔ و تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔

اس تفصیلی اور ضروری

تدوین ثالث کے اسباب و محرکات

تمہید کے بعد تدوین ثالث

کے اسباب و محرکات کا سمجھنا آسان ہو گیا مذکورہ رخصت خواہ زمانہ ذوالنورین تک باقی رہی ہو یا عہد رسالت ہی میں ختم ہو گئی ہو اور بلاد و امصار میں پھیلے ہوئے تمام

مسلمانوں کو اس کی اطلاع نہ ملی ہو۔ بہر تقدیر عہد عثمانی میں ایک سنگین صورت حال پیش آئی ایک طرز ادا والا اپنی ہی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگا اس پر آپس میں جنگ و جدال اور زد و کوب تک کی نوبت پہنچی۔
 عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے۔

ان حذیفة قدم من غزوة
 فلم یدخل بیتہ حتی اتي
 عثمان فقال یا امیر المؤمنین
 ادرك الناس قال وما ذلک؟
 قال غزوت فرج ارمینة فاذا
 اهل الشام یقرأون بقرأة ابی
 بن کعب ویأتون بما لم یسمع اهل
 العراق واذا اهل العراق یقرأون
 بقرأة ابن مسعود فیا تون بما
 لم یسمع اهل الشام فیکفر
 بعضهم بعضا۔

(عمدة القاری للعینی ج ۲ ص ۱۸)

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۵۸)

خود حضرت عثمان کے یہاں بھی اس طرح کا اختلافی مقدمہ پہنچا ابن اسحق نے ابو قلابہ سے بطریق روایت کی ہے انہوں نے فرمایا۔ بنی مامر کے انس بن مالک نامی شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عثمان کے زمانے میں لوگوں نے قرآن کے بارے میں اختلاف کیا یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین ایک دوسرے

حضرت حذیفة ایک جنگ سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے حضرت عثمان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین لوگوں کو تھا میسے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ کہا میں سرحد ارمینہ کی لڑائی میں شریک ہوا تو دیکھا کہ شام والے ابی بن کعب کی قرأت پر قرآن پڑھتے ہیں جسے اہل عراق نے نہیں سنا۔ اور عراق والے ابن مسعود کی قرأت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا۔ تو ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔

سے جنگ کر بیٹھے سارے حضرت عثمان تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا۔

عندی تکذبون بہ و تاعنون
نیہ فمن نأی عنی
کان اشد تکذیباً و اکثر
لحناً۔

میرے یہاں تم اس میں جھڑاتے
اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو
مجھ سے دور ہیں وہ تو تم سے بھی
زیادہ تکذیب اور غلطی میں مبتلا
ہوں گے۔

(آلقان ج ۶ ص ۶۱)

یہ ایک نکتے کی ابتداء تھی جس کا انجام بڑا ہی خطرناک اور اندوہناک ہو سکتا تھا
اس لئے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دناغ کے لئے
فماز صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور اپنی رائے پیش کی۔ جس پر تمام حضرات
نے فیصلہ کر دیا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام قبائل عرب بلکہ ساری دنیا کو ایک
لغت پر جمع کر دیا جائے اور زبان نزول کے مطابق قرآن کے متعدد نسخے تیار
کرا کے دیار و امصار میں بھیج دئے جائیں اور سب کے لئے اس کی پابندی ضروری
قرار دی جائے۔

تدوین ثالث کی کیفیت | تدوین اول کی کیفیت بس یہ تھی کہ
پورا قرآن لکھ لیا گیا تھا۔ تمام سورتوں

اور تمام سورتوں کی جملہ آیات کے درمیان ترتیب نہ تھی۔ تدوین ثانی میں ہر سورہ کی
تمام آیات ترتیب سے لکھی گئیں اور الگ الگ سورتوں پر مشتمل صحیفے
تیار ہو گئے مگر خود سورتوں کے درمیان باہمی ترتیب قید تحریر میں نہ آسکی اس
لئے عہد عثمانی میں قرآن کے متعدد نسخے تیار کرانے کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا گیا کہ
قرآن کی ایک "تیسری تدوین" ہو جائے جس میں سورتوں کی باہمی ترتیب بھی ہو۔

اور جو قرآن الگ الگ سورتوں پر مشتمل "صحیفوں" کی شکل میں ہے اسے
ایک "صحف" کی شکل دے کر پورے قرآن کی یکجا شیرازہ بندی کر دی جائے۔

ابن سعد، بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی تفصیل یوں روایت کی ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان شام و عراق والوں کے ساتھ مل کر ارمینیہ و آذربایجان کی فتح میں جنگ کر رہے تھے جب انہوں نے قرأت قرآن میں لوگوں کا اختلاف دیکھا تو گھبرا اٹھے۔ معرکہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ امیر المومنین! اس امت کو وہ وقت آنے سے پہلے تھا میں جبکہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے۔ حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس کہلا بھیجا کہ صدیقی صحیفے بھیجے۔ ہم وہ صحیفے مصاحف میں نقل کر کے اصل آپ کو واپس کر دیں گے۔ ام المومنین حضرت حفصہ نے بھیج دیئے۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن عمار بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نقل قرآن کی خدمت سپرد کی جسے ان حضرات نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں قرشی حضرات سے فرمایا جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن کی کسی آیت میں اختلاف ہو تو اسے زبان قریش کے مطابق قلمبند کرو۔ اس لئے کہ قرآن ان ہی کی زبان میں اترا ہے ان حضرات نے ایسا ہی کیا۔

جب مصاحف میں صحیفوں کی نقل ہو گئی۔ تو حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہ کو وہ صحیفے واپس کر دیئے اور تدوین شدہ مصاحف میں سے ایک ایک

لے ابن ابی داؤد نے زہری سے روایت کی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مصحف ہر اسم اسلام شہر میں بھیجا۔

فتح اباری میں ہے۔ یہ تدوین ۲۵ھ میں حضرت عثمان کی خلافت کے دوسرے یا تیسرے سال ہوئی۔ (ج ۹ ص ۱۴)

ترمذی کی روایت میں یہ واقعہ مزید ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری نے فرمایا "قابوت" اور "تابوہ" میں کاتبین کا اختلاف ہوا۔ قرشیوں نے ثابت کہا اور زید بن ثابت نے تابوہ۔ معاملہ حضرت عثمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا قابوت۔ لکھو کیونکہ قرآن زبان قریش میں نازل ہوا۔ کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲ کتاب المصاحف ابن ابی داؤد میں بطریق محمد بن سیرین روایت ہے کہ تدوین

بقیہ پچھلے صفحہ پر

مجھے سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خبر دی کہ مروان آدمی بھیج کر حضرت حفصہ سے ان صحیفوں کو مانگا کرتا تھا وہ دینے سے انکار فرماتی رہیں جب ان کی وفات ہو گئی اور ہم ان کے دفن سے فارغ ہو کر لوٹے تو مروان نے حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس قسم کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ ان صحیفوں کو بھیجیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے پاس بھیج دیئے۔ مروان نے ان صحیفوں کو چاک کر دیا۔ اور کہا یہ میں نے اس لئے کیا کہ ان میں

اخبرنی سالم بن عبد اللہ ان مروان کان يرسل الى حفصة يسألهما الصحف التي كتب فيهما القرآن فتأبى حفصة ان تعطيه اياها فلما توفيت حفصة ورجعنا من دفنهما ارسل مروان بالعزيمة الى عبد الله بن عمر ليرسل اليه بتلك الصحف فارسل بها اليه عبد الله بن عمر فامرهما مروان فتشتت وقال مروان انما فعلت هذا لان ما فيهما قد كتب وحفظ بالمصحف

ثالث میں بارہ آدمیوں نے نقل و املا کی خدمت انجام دی، مذکورہ چار حضرات کے علاوہ مزید پانچ حضرات کے نام متفرق طور پر کتاب ابن ابی داؤد میں ملتے ہیں، حضرت مالک بن انس کے دادا مالک ابن ابی عامر کثیر بن اقلح، ابی بن کعب انس بن مالک، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا من اکتب الناس سب سے زیادہ لکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا۔ کاتب رسول، زید بن ثابت۔ فرمایا۔ فای الناس اعرب (اور) افصح؟ عربیت اور فصاحت میں سب سے بڑھ کون ہے؟ لوگوں نے کہا سعید بن العاص امیر المومنین نے فرمایا سعید املا کر میں اور زید لکھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اولاً نقل کی خدمت ان ہی دو حضرات کے سپرد تھی۔ پھر آفاق عالم اسلامی میں بھیجے جانے والے مصاحف کی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے مزید دس آدمیوں کا اضافہ کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۱ قسطلانی ج ۷ ص ۳۵۸)

جو کچھ ہے اس کی کتابت ہو چکی صحیفے
یاد کر لئے گئے اب مجھے یہ اندیشہ ہوا
کہ عرصہ دراز گزر جانے کے بعد کوئی
”صحیفہ“ کے بارے میں شک
کرے۔ یا کوئی کہے کہ صحیفوں میں
کچھ ایسا حصہ تھا جس کے
کتابت نہ ہوئی۔

(بقیہ صفحہ ۹۶)
فَحَسِبْتَ أَنَّ طَال
بِالنَّاسِ زَمَانَ
يُرْتَابُ فِي شَأْنِ
هَذَا الْمَصْحَفِ مَرَّتَاب
أَوْ يَقُولُ إِنَّهُ قَدْ
كَانَ فِيهِ شَيْءٌ
لَمْ يَكْتَبْ
(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بڑا شکوہ تھا کہ انہیں کتا بت مصاحف میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ زید سے زیادہ قدیم الاسلام میں رسیدہ ذی علم ہیں۔ مگر معاملہ یہ تھا کہ حضرت ابن مسعود کوفہ میں تھے اور کارندین مدینہ میں ہو رہے تھے۔ حضرت عثمان نے کتابت مصاحف کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بلا تاخیر اس کی تکمیل کا عزم کر لیا اور حضرت ابن مسعود کے پاس کوفہ یا کسی بھی دور جگہ کے مقیم معزز صحابی کے پاس اطلاع بھیجے اور وہاں سے ان کی آمد کا انتظار کرنے میں حرج و تاخیر محسوس کی اس لئے انہیں اس خدمت میں شامل نہ کر سکے۔ پھر انہیں یہی عہد صدیقی کے صحیفوں کی نقل کرانی اور انہیں مصحف کی شکل دینی تھی۔ اس کیلئے مدینہ کے رہنے والے لوگ کافی تھے اور ان میں حضرت زید یقیناً زیادہ موزوں تھے۔ کیونکہ صدیقی صحیفے ان ہی کے لکھے ہوئے تھے اور اس وقت سب کی موجودگی میں حضرات شیخین نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خدمت سپرد کی اس بنیاد پر کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے یعنی عہد رسالت ہی سے اس معاملہ میں ان کو ترجیح اور اولیت حاصل تھی۔ پھر اگر عہد عثمانی میں بھی انہیں اس خدمت کی سربراہی دیدی گئی تو کسی کو اعتراض کا کیا موقع؟ اس وقت اکابر صحابہ نے حضرت ابن مسعود کے پرزور شکوے کو ناپست کیا۔

دفعۃ الباری ج ۹ ص ۱۶

مشہور ہے کہ آفاق عالم اسلامی میں بھیجے جانے والے

تعداد مصاحف | مصاحف کی تعداد پانچ تھی۔ ابن ابی داؤد نے

بیان کیا ہے کہ میں نے حاتم سجستانی سے سنا کہ سات مصاحف لکھے گئے جن میں سے مکہ۔ شام۔ بحرین، بصرہ، کوفہ ایک ایک مصحف بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ

میں رہا۔ (اتقان ج ۱ ص ۶۱)

حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی مذکورہ
آیت احزاب تفصیلی حدیث کے بعد امام بخاری وغیرہ محدثین
 نے حضرت ابن شہاب زہری سے مزید روایت کی ہے۔

اخبرني خارجة بن زيود بن ثابت
 سمع زید بن ثابت قال
 فقدت آية من الاحزاب حين
 نسخنا المصحف قد كنت اسمع
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم يقرأ بها فاتمناها
 فوحدها مع
 خزيم بن ثابت
 الانصاري من
 المؤمنين رجال صد
 قوا ما عاهدوا الله عليه
 فالحقناها في
 سورتيها في
 المصحف -

مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے
 خبر دی، انہوں نے اپنے والد زید بن
 ثابت سے سنا، انہوں نے فرمایا
 مصاحف نقل کرتے وقت میں نے
 سورہ احزاب کی ایک آیت نہ پائی
 جسے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم سے سنا کرتا تھا اسے ہم
 نے تلاش کیا تو خزیمہ بن ثابت
 انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
 پاس پایا۔ تو اسے مصحف کے اندر سورہ
 احزاب میں اس کی جگہ پر شامل
 کر دیا وہ آیت یہ تھی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
 رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ
 عَلَيْهِ -

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد صدیقی کی تدوین میں مذکورہ
 آیت احزاب چھوٹ گئی تھی۔ تیسری تدوین میں جب صحف صدیقی دوبارہ سامنے
 آئے تو حضرت زید نے ان صحیفوں میں آیت نہ پا کر اس کی تلاش شروع کی اور
 اس بات کی جستجو ہوئی کہ عہد رسالت کی لکھی ہوئی اصل جائے۔ چنانچہ حضرت

خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی۔ پھر مصحف عثمانی میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی۔
 اس حدیث کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحف صدیقی میں ایک آیت
 کی کمی رہ گئی تھی۔ پھر حفصہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا شبہہ یہ پیش کیا کہ ہو سکتا ہے
 مصحف عثمانی میں بھی کچھ چھوٹ گیا ہو۔ اس اعتراض کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔
 (۱) سہو نسیان، خاصہ انسان ہے۔ اس لئے ممکن ہے مصحف صدیقی کی
 تدوین میں یہ آیت چھوٹ گئی ہو۔ مگر ان صحیفوں کو مرجعیت حاصل نہ تھی لوگ بذاتی
 طور پر حفاظ و قراء سے قرآن سیکھتے ان صحیفوں سے نہیں۔ اس لئے قرآن کی قرائت
 و تلاوت میں کوئی کمی نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ و حفاظ کو
 پوری سورۃ احزاب سکھائی تھی۔ وہ صحابہ و حفاظ دوسرے لوگوں کو پوری سورۃ
 پڑھاتے اور سکھاتے تھے اس وقت ان صحیفوں میں ایک آیت کی کمی سے
 انسان کی خصوصیت نسیان کا ظہور تو ہوا مگر چونکہ قرآن کریم کانگہبان رب العالمین
 ہے اس لئے اصل قرآن قراء صحابہ و حفاظ میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ البتہ جب کتابت
 اور مصحف کو مرجعیت حاصل ہونے والی تھی اور مصاحف اس غرض سے تیار
 ہو رہے تھے کہ لوگ انہیں پڑھیں گے ان سے قرآن سیکھیں گے اور یاد کریں گے۔
 تو حافظ حقیقی نے کاتب وحی حضرت زید کو یاد دلا کر کتابت کی بھی یہ کمی پوری کر دی
 اور قرآن کی ایک آیت بھی نہ چھوٹی۔

مصحف عثمانی میں کسی آیت کے چھوٹنے کا احتمال ناقابل التفات ہے کیونکہ
 اس کی تدوین و کتابت صرف حضرت زید تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں بارہ صحابہ کرام
 کی شمولیت تھی۔ پھر اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا جب کہیں اس کی اشاعت ہوئی۔ کیا
 یہ کسی عقل میں آنے والی بات ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت چھوٹ جائے اور عظیم
 جماعت صحابہ و حفاظ میں کسی کو یاد نہ آئے؟ یا یاد تو آئے۔ مگر سب خاموش رہ جائیں

اور قرآن ناقص پر اجماع کر لیں؟ کیا صحابہ کی حرارت ایمانی دینی معاملات میں انکی جرات بے باک اور ان کے جذبہ حق گوئی سے آشنا کوئی بھی شخص ایسے ادا و مود خیالات کو ذرا دیر کے لئے بھی اپنے ذہن میں جگہ دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں کہ یہ بہت بعید ہے کہ عہد صدیقی کی تدوین میں کسی آیت کی کتابت چھوٹ گئی ہو اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ تدوین ثالث کا نہیں بلکہ تدوین ثانی کا ہے تدوین ثانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لکھائی ہوں یا دواشتوں میں آیت احزاب نہ ملی تلاش و جستجو کے بعد صاحب شہادتین حضرت خذیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پائی گئی اور مصحف یعنی صحیفہ میں لکھی گئی۔ (مرقات ج ۲ ص ۶۳۱)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس کی تائید کی ہے بلکہ

اس کو حدیث کا ظاہر معنی قرار دیا ہے (اشعۃ اللمعات ۲ ص ۱۶۵)

اب رہا یہ کہ اس میں "نسخنا المصحف" ہے ہم نے مصحف اصل یا دواشتوں سے نقل کیا، حالانکہ تدوین ثانی میں تنہا حضرت زید نے کتابت کی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو ان جمع تعلیمات ہے۔

مگر مصاحف کا معنی لینا محل نظر ہے۔ کیونکہ یہی حدیث

بخاری شریف میں اور دو مقامات پر آئی ہے ایک جگہ یہ الفاظ ہیں۔ نسخت المصحف

فی المصاحف۔

(ج ۱ ص ۳۹۴ کتاب الجہاد)

دوسری جگہ ہے۔

لما نسخنا المصحف فی المصاحف

فقدت آية من سورۃ

جب ہم نے "مصحف" مصاحف میں نقل

کئے تو سورۃ احزاب کی ایک آیت کھو گئی

الاحزاب كنت اسمع
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقرأها لما جدها
مع احد الامة خزيمة الانصاري الذي
جعل رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم شهادته شهادة رجلين
(۲۶ ص ۵۵ کتاب التفسير)

میں اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو پڑھتے سنا کرتا تھا۔ وہ میں
نے کسی کے پاس نہ پائی سوائے حضرت
خزیمہ انصاری کے جن کی شہادت کو
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار
دیا۔

کسی حدیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام طرق و روایات پر
نظر رکھتے ہوئے اس کا صحیح مفہوم متعین کیا جائے۔ ان روایات کے الفاظ سے واضح
ہے کہ آیت احزاب نہ ملنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحیفہ مصاحف میں نقل کئے
گئے اور ظاہر ہے کہ یہ کام عہد عثمانی اور تدوین ثالث میں ہوا عہد صدیقی میں نہیں
اس تدوین میں تو صرف صحیفے تیار ہوئے۔ مصاحف نہیں۔

لہذا حدیث خارجہ بن زید میں مصاحف کا معنی صحیفے لینا اور آیت احزاب
کی گمشدگی کا واقعہ تدوین ثالث نہیں بلکہ تدوین ثانی کا بتانا صحیح و صریح روایات
سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(۳) راقم کے نزدیک حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کا جواب
ایک اور ہے۔ امید کرتا ہوں کہ معتزہ ناقدین کی نظر میں قرین تحقیق ثابت ہوگا۔
(الف) سب سے پہلے خود زید بحث حدیث پر غور کرنا چاہیئے۔ اس میں ہرگز
کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس امر کی واضح نشان دہی کرتا ہو کہ تدوین ثالث کے وقت
جب صحف صدیقی دیکھے گئے تو ان میں سورۃ احزاب کی وہ آیت نہ ملی اور یہ احساس
ہوا کہ ان صحیفوں سے ایک آیت چھوٹ گئی اور لکھی نہ جاسکی۔ جب روایات و احادیث

میں کوئی ایسا لفظ نہیں تو قطعیّت اور جزم و یقین کے ساتھ یہ معنی متعین کرنے کی گنجائش بھی نہیں کہ صحف صدیقی میں ایک آیت درج نہ ہو سکی۔

(ب) اس حدیث میں ”فقدت آية من الاحزاب“ خاص طور سے قابل توجہ ہے فقد کا اصل معنی ہے گم کر دیا۔ کھو دیا۔ ظاہر ہے کہ ”میں نے فلاں شے گم کر دی اور فلاں چیز کھو گئی“ اسی وقت بولیں گے جب اپنے پاس موجود رہی ہو پھر غائب ہوئی ہو۔ اب اگر فقدت آية من الاحزاب کا معنی یہ لیں کہ صحیفہ صدیقی میں سے سورۃ احزاب کی آیت میں نے کھو دی تو معنی کسی طرح بن نہیں سکتا۔ صحیفے میں پوری سورہ موجود تھی پھر اس میں ایک آیت نکل کر کھو گئی۔ باقی سورہ مع کاغذ موجود رہی یہ معلوم کون کہہ سکتا ہے اس کی نوعیت یہ ہو سکتی ہے کہ آیت کسی طرح مٹ جائے اور اس کی جگہ باقی ہو مگر اس کی تعبیر ”کھو دینے“ اور ”گم کر دینے“ سے ہرگز نہ ہوگی۔ اس کے لئے صاف طور پر کہا جائے گا: ایک آیت مٹ گئی۔ یا ”فلاں آیت کی جگہ سے حروف اڑ گئے اور بیاض ہو گیا۔“

اب آپ غور کریں کہ ”میں نے ایک آیت کھو دی“ یہ تعبیر کس حقیقت پر دال ہے۔ اور یہ عبارت واقعہ کی کس نوعیت کا پتہ دے رہی ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ عہد رسالت میں بعض چھوٹی سورتوں کی طرح بہت سی آیات بھی مختلف ٹکڑوں اور اجزاء میں منتشر و غیر مرتب تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یادداشتوں میں بلاشبہ ایسا ہی تھا کہ ایک آیت ایک جہی پاسے یا اور کسی چیز پر علیحدہ تھی وہ ساری یادداشتیں حضرت زبیر بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد صدیقی کی تدوین میں پیش نظر رکھیں۔ ان یادداشتوں میں سے اگر کوئی آیت بعد میں گم ہو گئی ہو تو یقیناً یہ تعبیر بر محل ہوگی کہ ”فلاں آیت کھو گئی“ یعنی تدوین ثانی کے وقت تو موجود تھی مگر تدوین ثالث کے وقت گم ہو گئی۔

۱۔ اس معنی کی تعبیر ”فالتبسنا“ (تو ہم نے اسے تلاش کیا) سے بھی ہوتی ہے۔

اب آپ پر میرا مدعا واضح ہے کہ فقدت آیتہ من الاحزاب کا جملہ پتہ
 دے رہا ہے کہ تدوین ثالث کے وقت صرف صحف صدیقی سے نقل پر قناعت نہیں
 کی گئی بلکہ اولین ماخذ، اور بعد کی جملہ تدوین خد کا سنگ بنیاد اور سب کا مرجع رسول
 اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کمرائی ہوئی یادداشتیں بھی پیش نظر رکھی گئیں۔
 ان ہی یادداشتوں میں سورۃ احزاب کی ایک آیت رجال صدقوا ما عاہدوا
 اللہ علیہ جو تدوین ثانی کے وقت موجود تھی تدوین ثالث کے وقت کھو گئی جب
 تلاش کی گئی تو صاحب شہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے پاس مکتوبہ شکل میں ملی پھر مصحف کے اندر سورۃ احزاب میں اپنے مقام پر ثبت
 کر دی گئی۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آج کوئی محقق جب کسی کتاب کو ایڈٹ
 کر کے منظر عام پر لانا چاہتا ہے تو اپنے معتدلسن کے علاوہ متعدد دوسرے
 نسخے، مختلف مآخذ اور بہت سی تائیدات تحقیق مزید اور اطمینان کامل کی خاطر
 فراہم کر کے سامنے رکھتا ہے۔ اور لفظ لفظ کی تنقیح کامل کے بعد اپنی کتاب نصہ
 شہود پر لاتا ہے۔ اسی طرح تدوین ثانی اور تدوین ثالث میں بھی یہ احتیاطیں
 برتی گئیں بلکہ وہ تنقیحات عصر حاضر کی تحقیقات سے بدرجہا نائق تھیں آج کی کتابیں
 متواتر اور جماعت کثیرہ کو حفظ نہیں ہوتیں اس لئے یہ تمام انتظامات کیئے جلتے
 ہیں مگر ان محتاط صحابہ کرام نے دین حق کی اساس "قرآن عظیم" کی اہمیت کے پیش
 نظر تواتر و حفظ کے باوجود پہلے تمام ممکنہ تائیدات حاصل کر لیں پھر کہیں صحیفوں اور
 مصاحف میں آیات قرآنی درج کیں۔

راقم کے مذکورہ بیان کی بنیاد کسی اختراع یا احتمال محض پر نہیں بلکہ متعدد روایات
 سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحف صدیقی کے ساتھ

لوگوں کے پاس سے چرمی پارچوں۔ سنگی تختیوں وغیرہ میں لکھے ہوئے اجزاء قرآنی بھی جمع کئے اور حفاظ و قراء کی طرف بھی موقع بموقع رجوع کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی یادداشتوں کے بارے میں اگرچہ ہمیں اب تک کوئی واضح صریح اور مفصل روایت نہ ملی مگر ظاہر ہے کہ حیب اتنی تمام تحقیقات فرمائیں تو یقیناً صدیقی صحیفوں کے ساتھ وہ یادداشتیں بھی سامنے رکھی ہوں گی اس لئے کہ یہ سب سے معتد اور سب کا ماخذ تھیں۔ ہاں اس پر ایک دلیل وہی فقدت آیت من الاحزاب ہے جس سے تفصیلی استدلال ابھی گذرا۔

(۱) ابن ابی داؤد اور ابن عساکر نے حضرت مصعب بن سعد سے روایات کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کو ابھی صرف تیرہ سال گذرے اور تمہارا حال یہ ہے کہ قرآن میں شک لاتے ہو۔ کہتے ہو ابی کی قرأت۔ عید اللہ کی قرأت۔ کوئی کہتا ہے بخدا تمہاری قرأت درست نہیں۔

فَاعِزَمَ عَلَىٰ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ	تو میں ہر اس شخص پر لازم کرتا ہوں
كَأَن مَعَهُ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ شَيْءٌ	جس کے پاس کتاب کا کوئی حصہ ہو
لَمَّا جَاءَ بِهِ فَكَانَ الرَّجُلُ يَحْمِي	کہ وہ اسے ضرور لے آئے تو آدمی
بِالْوَرَقَةِ وَالْأَدِيمِ فِيهِ الْقُرْآنُ	ورق اور چرمی پارچہ لاتا جس میں
حَتَّى جُمِعَ مِنْ ذَلِكَ أَكْثَرُهُ ثُمَّ دَخَلَ	قرآن ہوتا یہاں تک کہ حضرت عثمان
عُثْمَانُ فَنَدَّاهُمْ رَجُلًا رَجُلًا	نے اس میں سے اکثر جمع کر لیا۔ پھر
فَنَاشَدَهُمْ أَسْمَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ	اندر جا کر ایک ایک آدمی کو بلایا اور
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أَمْلَأُ	اسے قسم دی کہ کیا تم نے یہ رسول اللہ

علیکہ فیقول نعم۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے اور

انہوں نے تمہیں املا کر لیا ہے وہ کہتا ہاں۔

جب اس سے فارغ ہوئے تو فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ کتابت کر نیوالا کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زید بن ثابت" فرمایا تو عربیت میں سب سے زیادہ فائق کون ہے عرض کیا گیا سعید بن العاص۔ فرمایا تو سعید لکھائیں اور زید لکھیں چنانچہ حضرت زید نے لکھا اور اس مصحف کے ساتھ اور بھی مصاحف لکھے گئے جنہیں حضرت عثمان نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ میں نے بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عثمان نے اچھا کیا۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

ابن ابی داؤد اور مستدرک حاکم کی ایک اور روایت حضرت مصعب بن

زید ہی سے ہے اس میں یوں ہے۔

میں نے ہر شخص پر لازم کیا کہ جس کے پاس قرآن کا کوئی ایسا حصہ ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہو تو اسے لے آئے۔ آدمی تختی، اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی ہڈی اور درخت خرما کی شاخ لاتا جس میں قرآنی نوشتہ ہوتا جو بھی ان کے پاس کچھ لاتا اس سے فرماتے کیا تم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے سنا ہے؟

عزمت علی من عندہ شیء من القرآن سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما اتانی بہ فجعل الرجل یاتیہ باللوح والکتف والعسیب فیہ الکتاب فمن اتاہ بشیء قال انت سمعته من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۳)

(۲) ابن ابی داؤد نے امام محمد بن سیرین سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے کثیر بن افلح نے بیان کیا کہ وہ بھی مصاحف کی کتابت میں شامل تھے۔ تو بسا اوقات آیت میں لوگوں کا اختلاف ہوتا تو اسے مؤخر کر دیتے ہیں نے کثیر سے پوچھا مؤخر کیوں کرتے؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں مجھے اس کی ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اسے یقینی وجہ نہ قرار دے لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ جب اختلاف ہوتا تو اسے اس لئے مؤخر کر دیتے کہ دیکھیں قرآن کے دورۂ اخیرہ کی نسبت سب سے جدید و قریب کون ہے؟ تاکہ اسی کے قول پر اسے لکھیں۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۳)

(۳) ابن ابی داؤد، ابن الانباری اور امام ابو جعفر طحاوی اپنی سند کے ساتھ ابو قلابہ سے راوی ہیں۔ (الفاظ طحاوی کے ہیں)

قال حدثني رجل من بني
عامر يقال له النس بن مالك
قال اختلفوا في القرآن على عهد
عثمان حتى اقبل العلماء
والعلمون فبلغ ذلك عثمان
فقال عندى يكذبون
به ويختلفون فيه فمن ناغى
عنى كان اشد تكذيبا وبخا
بة، اصحاب محمد اجتمعوا
فاكتبوا للناس (امام) قال فكتبوا
فحدثوا انهم كانوا
اذا اتماروا في آية قالوا هذه
الآية اقراءها رسول الله

انہوں نے فرمایا بنی عامر کے ایک آدمی
نے مجھ سے حدیث بیان کی۔ انہیں انس
بن مالک کہا جاتا۔ فرمایا عہد عثمانی میں
قرآن کے اندر لوگوں نے باہم اختلاف
کیا یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین آئے
تو حضرت عثمان کو اس کی خبر پہنچی انہوں
نے فرمایا میرے پاس لوگ اسے جھٹلاتے
اور اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ جو
مجھ سے دور ہیں وہ تو اور ہی زیادہ
تکذیب و اختلاف میں مبتلا ہوں گے
اے اصحاب رسول! مجتمع ہو کر لوگوں
کے لئے ایک مصحف امام لکھ دو۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فلانا فی رسل الیہ وهو علی
راس ثلاث من المدینۃ یقال
کیف اقرأ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کذا
وکذا فیقول کذا
وکذا - فی کتبہ
نہا وقد ترکوا لہا مکانا۔

دشکل الاشارہ لامام ابی جعفر الطحاوی ج ۲
ص ۱۹۲ طبع اول ۱۳۳۳ھ دائرۃ المعارف
حیدرآباد دکن

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

انس بن مالک نے فرمایا۔ تو لوگوں نے
صحف لکھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ جب
کسی آیت میں ان کا اختلاف ہوتا تو کہتے
یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فلاں کو پڑھائی تھی۔ اس کے پاس خبر
بھیجی جاتی۔ اور وہ مدینہ سے تین دن
کی دوری پر ہوتا تو کہا جاتا تھیں رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاں
فلاں آیت کیونکر پڑھائی تھی۔ وہ بتاتا
اس اس طرح۔ تو (اس کے بیان کے
مطابق) لوگ لکھتے اور پہلے سے اس
آیت کے لئے جگہ چھوڑے ہوتے۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں صدیقی صحیفوں سے مصاحف تیار کرنے
کے ساتھ مزید اطمینان اور نتیجہ کامل کی خاطر دوسرے ذرائع تحقیق بھی عمل میں لائے گئے
اور ہرگز اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ایک معتد نسخہ کے ہوتے ہوئے دوسرے ذرائع
سے مزید اعتماد و اطمینان حاصل کر لیا جائے۔ جیسے عہد صدیقی میں باوجودیکہ کاتب وحی
اور حضرات جامعین کے نزدیک قرآن غیر قرآن سے ممتاز اور ہر آیت متواتر و یقینی تھی۔
مگر اطمینان کامل اور احتیاط مزید کی خاطر عہد نبوی کے محفوظ نوشتے بھی پیش نظر
رکھے گئے۔ لوگوں کے پاس جو اور نوشتے تھے وہ بھی جمع کئے گئے۔ ہر نوشتہ اور ہر
آیت کے لئے دو شاہد بھی طلب کئے گئے۔ یوں ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر
صرف صحف صدیقی سے نقل پر اکتفا کر لیتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔ مگر انہوں نے مزید

تحقیق اور اطمینان کے لئے دوسرے نوشتے بھی جمع کئے۔ جب ضرورت حفاظ اور قرار سے بھی رجوع کیا۔ عہد رسالت کی بھی یادداشتیں پیش نظر رکھیں۔ قریباً چودہ پندرہ برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد ان یادداشتوں میں سے اس وقت سورۃ احزاب کی ایک آیت رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ کھو گئی تھی۔ مگر پھر حضرت خزیمہ صاحب شہادتین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے وہ آیت عہد رسالت ہی کی تحریر شدہ حاصل ہو گئی۔ پھر مصحف شریف میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی۔

اس تفصیلی بحث سے معلوم ہوا کہ ہرگز مصحف صدیقی میں بھی کسی آیت کی کمی نہ تھی حفظ الہی کے زیر عنایت صدیقی صحیفے بھی تام و کامل تھے اور مصحف عثمانی بھی۔ نہ اس وقت کوئی آیت چھوٹی نہ اس وقت کوئی آیت چھوٹنے کا امکان۔ حدیث کا صحیح معنی و مفہوم متعین کئے بغیر نقص قرآن کے شکوک و اوہام پیدا کرنا کوئی کمال نہیں۔ قرآن کریم رب العالمین کی وہ مقدس کتاب سے جو ہر زمانہ اور ہر دور میں نقص کمی، اضافہ و زیادتی اور ترمیم و تحریف سے محفوظ رہی اور ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ بے جا اوہام و شبہات پیش کر کے تو رات و انجیل کی خود کردہ تحریفات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ جو جرم واقعی ہے وہ نمایاں ہی رہے گا۔ اور جس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں وہ بھی اپنی تمام تر نزاہت و حقانیت کے ساتھ ابد تک جلوہ گر رہے گا۔

احراق مصاحف کی روایات

تدوین ثالث کی
تفصیل میں حضرت

انس بن مالک کی منقولہ روایت کا آخری جملہ یہ ہے۔

وا مریما سواہ من القرآن
فی کل صحیفۃ او مصحف ان
اس کے علاوہ کسی صحیفے یا مصحف
میں جو کہ قرآن تھا حضرت عثمان نے

یہ بھرق۔
میں نے نظر آتش کر دیا۔

فتح الباری میں ہے۔

فی رواية الاكثرين ان
يخرق بالحجارة
المعجمة۔
میچ بخاسی کے اکثر راویوں کے
نزدیک ان یخرق "خامچہ کے
ساتھ ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے باقی سب کو چاک کر دیا۔ لیکن اسی
فتح الباری میں آگے یہ ہے۔

وفی رواية ابی قتادة
فلما فرغ عثمان من
المصحف كتب إلى أهل
المصارف قد صنعت كذا
وكذا ومحوت ما
عندي فامحوا ما عند
كم۔ والمحو اعم ان يكون بالنس
او التحريق۔ وأثر الروایات
حریق فی التحریق فهو الذی وقع
(ص ۱۷۹)

ابو قتادہ کی روایت میں ہے کہ
جب حضرت عثمان مصحف کی تدوین
سے فارغ ہوئے تو اہل بلاد کو لکھا
کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے اور جو میرے
پاس تھا اسے مٹا دیا۔ تمہارے پاس
جو ہے اسے تم بھی مٹا دو۔
مثلاً دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ دھو
کر بھی اور جلا کر بھی۔ اور اکثر روایات
میں نظر آتش کرنے کا صراحتہ ذکر ہے
تو ہوا یہی ہے۔

مثلاً بخاری نے باب خلق افعال العباد میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری
نے مصاحف میں مصعب بن سعد سے روایت ہے۔

قال ادركت الناس متوافرين
حين حرق عثمان المصاحف
میں نے بکثرت لوگوں کو اس وقت
پایا جب حضرت عثمان نے مصاحف

نذر آتش کر لئے۔ سب نے اسے پسند
کیا۔ اور کسی نے اس کا انکار نہ
کیا۔

فاعجبهم ذلك ولم ينكر
ذلك منهم احد۔

(کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۱)

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہا نے شعیب سے روایت کی ہے۔

حضرت عثمان نے ہر وہ مصحف نذر
آتش کرنے کا حکم دیا جو ان مصاحف
کے خلاف تھا جنہیں بلاد اسلامیہ میں
بھیجا گیا۔

وامرهم ان يحرقوا
كل مصحف يخالف
المصحف الذي

ارسل به۔

مکیر بن اشج کی روایت میں ہے۔

دیگر مصاحف جمع کر کے نذر آتش
کرائے۔ پھر نئے کتابت شدہ مصاحف
شکروں میں بھیجے۔

فامر بجمع المصاحف
فاحرقها ثم بث في
الاجناد التي كتبت

سوید بن غفلہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

مصاحف نذر آتش کرانے سے
متعلق عثمان کو خیر کے سوا
کچھ نہ ہو۔

لا تقولوا لعثمان في احراق
المصاحف الاخيرة

(فتح الباری ص ۱۴-۱۵۔ عمدۃ القاری ص ۲۱۹)

علامہ ابن حجر مزید فرماتے ہیں۔

ہو سکتا ہے، دھویا بھی گیا ہو۔
نذر آتش بھی کیا گیا۔ جس کے ہاتھ
میں صحیفہ یا مصحف تھا اس نے جیسا
خیال کیا ہو عمل میں لایا۔

ويحتمل وتووع كل
منهما بحسب ما راعى
من كان بيده
شي من ذلك۔

مصحف جلانا جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز فرماتے ہیں

جواز احراق

واختلف العلماء فی ورق

المصحف البالی اذ الم

سبق فیہ نفع ان الاولی

هو الفل اوالاحراق۔ فقیل

الثانی لانہ یدفع سائر

صور الایہام بخلاف الفل

فانہ قد اس غسالتہ

وقیل الفل۔ وتصب

القسالہ لان الحرق

فیہ نوع اہانۃ

(مرقات ج ۲ ص ۶۳۱)

مصحف کا بوسیدہ ورق جس سے

کوئی فائدہ نہ رہ گیا ہو اس کے

بارے میں علماء کا اختلاف ہے

کہ اسے دھو ڈالنا بہتر ہے یا جلانا

ایک قول یہ ہے کہ جلانا بہتر ہے۔

کیونکہ دھونے میں ایک قسم کی اہانت

یہ ہوگی کہ غسالہ پیروں سے روندا

جائے گا اور جلانے میں اس طرح

کی کوئی اہانت نہیں ہو سکتی۔ دوسرا

قول یہ ہے کہ دھونا بہتر ہے۔

غسالے کو کسی پاک جگہ میں بہا دیا

جائے گا کیونکہ جلانے میں ایک طرح

کی اہانت ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عثمان نے جلانے ہی کو ترجیح کیوں

دی۔ مرقات میں ہے۔

صنیعہ کان بما ثبت انہ

لیس من القرآن اذ ہما

اختلط بہ اختلاطاً لا

یقبل الانفکاک وانما

حضرت عثمان نے نذر آتش اسے

کرا یا جو قرآن نہ تھا۔ یا قرآن سے

اتنا خلط ملط ہو گیا تھا کہ اسے جدا

نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اور انہوں

اختار الاحراق لانه يزيل
الشك في كونه ترك بعض
القرآن اذ لو كان قرآنالم يجوز
مسلم ان يحرقه -

(مرقات ج ۲ ص ۶۳۱)

امام قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں -

نے جلانے ہی کو اس لئے ترجیح دی
کہ اس سے یہ شبہ دور ہو جاتا ہے
کہ انہوں نے کچھ قرآن چھوڑ دیا
کیونکہ اگر وہ قرآن (غیر منسوخ) ہوتا
تو کوئی مسلمان اسے جلانا روانہ رکھتا۔

غسلوها بالماء ثم احرقوها

مبالغة في اذها بما

علامہ محمود عینی فرماتے ہیں -

لوگوں نے پہلے اسے پانی سے دھو
لیا پھر جلایا، تاکہ اچھی طرح تلف ہو جائے۔

وقيل هذا كان في ذلك

الوقت واما الآن فالفضل اولى

اذا دعت الحاجة الى ازا

لته وقال اصحابنا الحنفية ان المصحف

اذ يلى بحيث لا ينفقه يدفن في

مكان طاهر بعيد عن وطاء الناس.

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۹)

کہا گیا یہ اس وقت تھا، لیکن اب
اگر ایسی ضرورت ہو تو دھونا ہی اولیٰ ہے
ہمارے علمائے حنفیہ نے فرمایا جب
مصحف اتنا بوسیدہ ہو جائے کہ اس
سے فائدہ نہ حاصل ہو سکے تو لوگوں
کی پامالی سے دور کسی پاک جگہ دفن
کر دیا جائے۔

علماء الدين محمد بن علي حصكفي لکھتے ہیں -

المصحف اذا صار بحال لا يقرء

فيه يدفن كالمسلم -

(در مختار ج ۱ ص ۱۵۱ مطبعہ نوزکشور لکھنؤ)

جب مصحف اس حالت کو پہنچ جائے
کہ اس میں تلاوت نہ ہو سکے تو اسے
"مسلم" کی طرح دفن کر دیا جائے

وہ مصاحف جن میں غیر قرآن، قرآن سے مخلوط تھا یا اقراءات مشابہہ یا اقراءات

منسوخہ تھیں۔ انہیں حضرت ذوالنورین نے صرف اس لئے نذر آتش کرایا کہ
فتنہ اختلاف بالکل فرو ہو جائے، اور آئندہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص ان مصحف
کو پیش کر کے مسلمانوں کی جماعت میں پھراقتشار پیدا کرے۔ اور انہیں ایک زبان
اور ایک قرآن پر مجتمع نہ رہنے دے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ولہذا استدرك مروان
الامر بعد ما واعد لها
ايضا خشية ان يققه احد
توهم ان فيها ما يخالف المصحف
الذي استقر عليه الامر
(فتح الباری ج ۹ ص ۱۷)

اس لئے بعد میں مروان نے اس
کام کا استدراک اور تلافی مافات
کی اور ان صحیفوں کو بھی تلف کر دیا
اس اندیشے کے تحت کہ کسی کو یہ وہم
نہ ہو کہ ان صحیفوں میں کوئی حصہ ایسا
ہے جو اس مصحف کے خلاف ہے جس پر
عالمہ رآمد مستقر ہو چکا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کی تائید

ابن ابی داؤد نے بسند

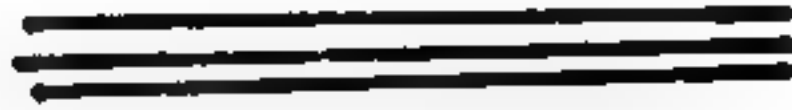
صحیح حضرت سید بن غفلہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا۔

قال علی لا تقولوا
فی عثمان الاحسیر افو
اللہ ما فعل الذی فعل
فی المصاحف الاعن
ملائمت۔
(اتقان ص ۶)

حضرت علی کا فرمان ہے کہ حضرت
عثمان کے بارے میں کلمہ خیر ہی کہو،
کیونکہ انہوں نے مصاحف کے بارے
میں جو کچھ بھی کیا صرف اپنی رائے سے
نہیں بلکہ ہماری ایک جماعت کے مشورے
سے کیا۔

ان ہی سے ایک روایت میں ہے۔

لو ولیت لعملت بالمصحف میں خلیفہ ہوتا تو مصحف کے معاملہ
الذی عملہ عثمان - میں وہی کرتا جو حضرت عثمان نے کیا۔



ترتیب آیات و سُوَر

اور اوراق گذشتہ میں یہ ذکر ہوا ہے کہ ہمد رسالت کی تدوین میں ترتیب آیات نہ تھی۔ تدوین ثانی میں ترتیب آیات کا کام ہوا۔ اور تدوین ثالث میں سورتوں کے درمیان بھی ترتیب قائم ہو گئی۔

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے کہ یہ آیات اور سورتوں کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و توقیف سے ہوئی۔ یا اجتہاد صحابہ سے؟ یہ بحث دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ترتیب آیات۔ ترتیب سُوَر۔

بے شمار نصوص اور اجماع امت سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور وحی الہی پھر حکم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق تمام آیات کی تدوین ہوئی ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گذر

نصوص

یہی ہے۔

کنا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تولف القرآن فی الرقاع (متدرک، ترمذی)

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس چرمی پارچوں میں قرآن کی تالیف کرتے۔

اس کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں۔

یشہ ان یکون المراد تالیف اس کا مناسب مطلب یہ ہے کہ

وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے الگ الگ آیتوں کو ان کی سورتوں میں ترتیب سے جمع کرتے۔

(۲) امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابو عبیدہ، نحاس، ابن جبران، ابو نعیم، ابن مردودہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا آپ نے سورۃ انفال اور سورۃ براءت کے درمیان "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہ لکھ کر دونوں کو متصل کیوں کر دیا؟ حالانکہ انفال و متانی سے اور براءت "مثنیٰ" سے ہے۔ اور پھر انہیں "سبع طوال" میں کیوں شامل کر دیا؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتیں جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور کسی کاتب وحی کو بلا کر حکم فرماتے کہ یہ آیات اس سورہ میں لکھ لو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔ اور سورۃ انفال مدینہ میں ابتداءً نازل شدہ سورتوں سے تھی اور

ما نزل من الايات المفرقة في سورها وجمعها فيها باشارة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم (اتقان ج ۱ ص ۵۹ نو ۱۸۴)

قلت لعثمان ما حملكم على ان عمدتم الى انفال وهي من المثاني والى براءة وهي من المثين فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بينهما ما سطر بسم الله الرحمن الرحيم وضمتموها في السبع الطوال فقال عثمان ان كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم تنزل عليه السور ذات العدد فكان اذا نزل عليه شيء دعا بعض من كان يكتب فيقول ضموا هؤلاء الايات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا وكانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدينة

نکات

۱۔ تاہم ایک قول پر "سبع طوال" سات کبھی سورتیں جن میں پہلی بقولہ "در آخری براءت ہے۔ مثنیٰ" طوال کے بعد کبھی سورتیں کیونکہ وہ تقریباً (ماقہ) سو آیات پر مشتمل ہیں۔ متانی۔ مثنیٰ کے بعد سات سورتیں جو تہجد اور میں مثنیٰ کے قریب

وكانت براءة من آخر القرآن
نزوداً وكانت قصتها شبيهة
بقصتها فكانت اتما منها فقبض
رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم ولم يبين لنا
انها منها فمن اجل ذلك
قرنت بينهما ولما كتب
بينهما سطر بسم الله الرحمن
الرحيم ووضعتهما
في السبع الطوال -
(كنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

سورۃ براءت نمول میں قرآن کی
آخری سورۃ تھی اور مضمون دونوں
کاملتاً جلتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور
حضور نے ہم سے بیان نہ فرمایا کہ یہ
سورۃ اسی سے ہے اب میں نے مضمون
کی یکسانی سے یہی سمجھا کہ سورۃ براءت
سورۃ انفال ہی سے ہے اس لئے میں
نے دونوں کو متصل کر دیا۔ اور درمیان
میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہ لکھی
اور اسے میں نے سات لمبی سورتوں
میں رکھا۔

حاکم نے متدرک میں اسے روایت کر کے فرمایا هذا حدیث صحیح الاسناد
اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ متدرک ج ۲ ص ۲۲۱ و ۲۲۰۔
(۳) متعدد احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مختلف سورتیں
لوگوں کے سامنے پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت حذیفہ کی حدیث میں بقرہ، آل عمران اور نساء
پڑھنا مذکور ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی۔ نسائی کی روایت
ہے کہ حضور نے فجر میں قدا فلح پڑھی جب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر آیا۔ تو
حضور کو کھانسی آئی اور رکوع کر دیا۔ طبرانی کی روایت ہے کہ نماز صبح میں سورۃ دوم
کی قرا

بخاری و مسلم میں ہے کہ جمعہ کے دن کی نماز فجر میں الحمد تنزیل اور اہل
 اتی علی الانسان کی قراءت فرماتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ خطبہ میں سورہ ق
 پڑھتے۔ مستدرک وغیرہ میں ہے کہ حضور نے جنوں کو سورہ الرحمن سنائی۔ صحیح
 بخاری میں ہے کہ کفار مکہ کو سورہ والنجم سنائی اور آخر میں سجدہ تلاوت
 کیا۔ مسلم میں ہے کہ عید و جمعہ میں "ق" کے ساتھ اقتربت کی بھی
 قراءت فرماتے۔

مستدرک میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ
 صف نازل ہوئی تو پوری سورہ حضور نے لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔ اسی
 طرح مفصل سورہ حجرات سے آخر قرآن تک اکی متعدد سورتوں کا صحابہ کرام
 کی موجودگی میں پڑھنا ثابت ہے۔ یوں ہی اور بھی احادیث ہیں جن میں
 سرکار کا آیات کی با ترتیب تلاوت یا چند آیات کے یکجا ذکر کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔
 جب مجمع صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قراءتیں ہوئی ہیں تو یہ
 تصور نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ کرام اس کے علاوہ کسی اور ترتیب کی اختراع فرمایں
 گے۔ یا اگر کوئی شخص ایسا کر دے تو اسے تمام صحابہ مان لیں گے۔ پس ہمد صبیحتی
 کی تدوین اور اس پر صحابہ کے عمل اور قبول عام سے یہ امر حد تو اتر تک پہنچ جاتا ہے
 کہ آیات کی ترتیب تو قیفی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

متعدد ائمہ رفیق نے ترتیب آیات کے تو قیفی ہونے پر
اجماع نقل کیا ہے۔ زکریٰ برہان میں اور ابو جعفر بن
 زبیر مناسبتہ میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ مؤخر الذکر کے الفاظ یہ ہیں۔

ترتیب الايات واقعہ بتو
 قیفہ صلی اللہ تعالیٰ
 بلا اختلاف مسلمین یہ امر ثابت
 ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
توثیق اور ان کے حکم کے مطابق
ہے۔

سورتوں کی ترتیب اور
آیات کو ان کے مقام پر رکھنے کا
کام وحی ہی کے ذریعے ہوا۔ رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دیتے
تھے۔ فلاں آیت فلاں جگہ لکھو یہ ترتیب
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
نقل متواتر اور صحابہ کے اسی کو
مصاحف میں ثبت رکھنے سے قطعی و
یقینی ہو چکی ہے۔

امام مکی اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں۔

سورتوں میں آیات کی ترتیب
حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے ہے اور چونکہ سورۃ براءت
کے شروع میں بسم اللہ کے متعلق رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم
نہ دیا اس لئے وہ بغیر بسم اللہ ہی رہی

علیہ وسلم واھرہ من غیر
خلاف فی ہذا بین المسلمین
(التقان ج ۱ نو ع ۱۸ ص ۲۲)
ابن حصار فرماتے ہیں۔

ترتیب السور و وضع الآیات
مواضعہا انما کان بالوحی کان
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم یقول ضعوا ایۃ کذا
فی موضع کذا وقد حصل
الیقین من النقل المتواتر بهذا
الترتیب من تلاوة رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھا
اجمع الصحابة علی وضعہ هكذا فی
المصحف (التقان ج ۱ ص ۶۳)

ترتیب الآیات فی السور
بأمر النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ولما لم یأمر بذلك
فی أول برأۃ قرأت بلا
بسملة۔
(التقان نو ع ۱۸ ص ۶۳)

ان احادیث اور علمائے امت کی عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آیات کی ترتیب تو قیضی اور مطابق وحی ہے۔ دور صحابہ سے لے کر اس زمانے تک امت کا اسی ترتیب پر اجماع قائم رہا۔

سورتوں کی ترتیب

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اگرچہ چہوڑ کا خیال یہ ہے کہ یہ ترتیب صحابہ نے اپنے اجتہاد سے رکھی ہے مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ ترتیب سورتوں بھی تو قیضی اور تعلیم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے۔ محققین کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں سورتوں کے درمیان بھی ایک خاص ترتیب ضرور تھی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مجمع صحابہ میں متعدد سورتیں ایک ساتھ ترتیب خاص پڑھنا یا بتانا ثابت ہے۔ مثلاً مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

اقراؤ الزہرا وین البقرة
وال عمران۔
دونوں روشن سورتیں۔
بقرة اور آل عمران پڑھا کرو۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔
قرأ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم بالسمع الطوال فی
ساتوں لمبی سورتیں رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رکعت

رکعت۔

میں پڑھیں۔

اس میں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
مفصل ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔

انه عليه الصلوة والسلام
كان يجمع المفصل في ركعة
صحیح بخاری میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جب بستر پر آرام کے لئے تشریف لاتے
تو اپنی ہتھیلیاں جمع کرتے پھر ان میں
قل هو اللہ احد اور معوذتین پڑھ
کردم کر لیتے۔

انه صلى الله تعالى عليه وسلم
كان اذا اوى الى فراشه
جمع كفیه ثم نفث فیہما
فقرأ قل هو الله احد - و
المعوذتین -

ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

بہت سی سورتوں کی ترتیب
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
زندگی ہی میں معلوم ہو چکی تھی۔ جیسے۔
ساتوں لمبی سورتیں اور وہ سورتیں
جن کے شروع میں حمد ہے اور
مفصل۔

ان كثير من السور كان
قد علم ترتيبها في حياته
صلى الله تعالى عليه وسلم
كالسبع الطوال و
الحواميم والمفصل -

ابن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں۔

ابن عطیہ نے جن سورتوں کا
ذکر کیا ہے آثار ان سے زیادہ کی
ترتیب معلوم ہو جانے پر شاہد ہیں۔

الآثار تشهد باكثر
مما نص عليه ابن
عطية وبقية هنما

قلیل ممکن ان یجری فیہ
الخلا ف۔
کچھ رہ جاتی ہیں جن میں اختلاف ہو
سکتا ہے۔

(۲) امام بیہقی مدخل میں فرماتے ہیں۔

كان القرآن على عهد النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم موقفا
سوره واياته على هذا
الترتيب الا انفال وبراءة
لحديث عثمان السابق۔
(اتقان نزع ۱۸ ص ۶۴ ج ۱)
قرآن کی سورتیں اور آیات رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے
میں اسی ترتیب پر تھیں۔ صرف انفال
اور براءت مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ حضرت
عثمان کی گذشتہ حدیث سے معلوم
ہوتا ہے۔

اتقان نزع ۱۸ ص ۶۴ ج ۱

امام بیہقی کا یہ استثناء غیر صحیح ہے۔ حضرت عثمان کی حدیث کا یہ مطلب نہیں
کہ تمام سورتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان موجود
تھا کہ فلاں فلاں مقام پر لکھی جائیں۔ مگر انفال و براءت کے متعلق کوئی حکم نہ تھا۔
نہ سوال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ غرض ہے۔ نہ جواب حضرت عثمان کا یہ مقصود۔
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور انہوں نے ہمیں یہ نہ بتایا کہ سورۃ توبہ (براءت)
انفال ہی میں شامل ہے یا اس سے الگ ہے۔ اس جواب سے انہوں نے کنایتہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے براءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا حکم نہ دیا۔ اس لئے نہ لکھی
گئی۔

اس کی دلیل یہ ہے۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاکم نے مستدرک

میں ابو جعفر نخاس نے نسخ میں۔ سید بن منصور نے سنن میں اور خود امام بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔

قال كانت الانفال وبراءة قد
عیان فی زمن رسول الله صلی الله
تعالی علیہ وسلم القرینین فلان
لک جعلتہما فی السبع
الطوال۔
(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

حضرت عثمان نے فرمایا انفال
اور براءت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے زمانے میں ”قرینتین“
(دونوں متصل سورتیں) کہا جاتا۔ اسی
لئے میں نے ان دونوں کو سبع طوال
میں رکھا۔

قال قلت لعثمان یا امیر المؤمنین
ما بال الانفال وبراءة لیس بیهما
بسم الله الرحمن الرحیم قال
كانت تنزل السورة فلا تزال
تكتب حتی یزل بسم الله الرحمن
الرحیم فاذا اجاءت بسم الرحمن الرحیم
کتبت سورۃ اخرى فنزلت الانفال
لہر یتب بسم الله الرحمن الرحیم
(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۰)

دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے مسند بن سلام سے روایت کی ہے۔
انہوں نے فرمایا میں نے حضرت
عثمان سے عرض کیا۔ اے امیر المؤمنین
انفال اور براءت کا کیا معاملہ ہے کہ
دونوں کے بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم
نہیں ہے فرمایا سورۃ نازل ہوئی تو
اس کی کتابت ہوئی رہتی یہاں تک کہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہو جب بسم اللہ الرحمن الرحیم
نازل ہوئی تو دوسری سورۃ لکھی جاتی مگر انفال نازل ہوا
تو اسکے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی گئی اس لئے کہ سورۃ
براءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہی نہ ہوئی۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی
سے براءت بعد انفال تھی۔ مگر دونوں کے درمیان چونکہ بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس

لے نہ لکھی گئی۔ البتہ انفال و توبہ کے درمیان فعل بسم اللہ نہ ہونے کے باعث
برارت کو انفال سے ایک قسم کا تعلق و اتصال اور مشابہت ہے۔ جیسے اجزاء کو
مجموع سے مشابہت ہوتی ہے۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ برارۃ حقیقۃً جزو انفال ہے۔
اگر ایسا ہوتا تو اس سورہ کا علیحدہ نام نہ ہوتا۔

الغرض نام سورتوں کے مقامات وہی ہیں جن میں وہ سورتیں ثبت ہیں
اور سورتوں کے یہ مقامات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بتواتر منقول
ہیں۔ لہذا انفال و برارت کا معاملہ دوسری سورتوں سے مختلف کہنا اور ان کی
ترتیب کو بجائے تو قیسی کے اجتہادی قرار دینا صحیح نہیں۔ (فوائد الرحمت
شرح مسلم الثبوت از ملا بحر العلوم عبد العلیٰ فرنگی علی ص ۱۷۳ ج ۲ مطبع نو کشور لکھنؤ
۱۲۹۵ھ ذوالحجہ و جنوری ۱۸۷۸ء)

کنز العمال کی روایت دیکھنے کے بعد ہی امام بیہقی کے استثناء کی عدم
صحت میرے نزدیک واضح ہو گئی۔ پھر دیکھا کہ ملا بحر العلوم نے فوائد الرحمت میں
اسے تفصیلاً تحریر فرمایا ہے اس لئے ان ہی کے حوالے سے لکھنا مناسب سمجھا۔
والحمد للہ۔

(۳) فتح الباری میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وہما يدل على ان ترتيبهما	ترتيب سورۃ کے تو قیسی ہونے پر
توقفي ما اخرج به احمد	ایک دلیل وہ حدیث بھی ہے جو احمد
وابوداؤد عن اوس بن	اور ابوداؤد نے بطریق اوس بن
ابی اوس عن حذيفة	ابی اوس حضرت خذیفہ ثقفی سے روایت
الثقفي قال كنت في الوفد	کی ہے انہوں نے کہا میں بنی ثقیف
الذين اسلموا من ثقيف	کے اس وفد میں تھا جو اسلام لایا۔

اسی طویل حدیث میں یہ حقہ ہے۔ ہم
سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمایا مجھ پر قرآن کا ایک حصہ
(قرآنی منزل) وارد ہوا میں نے چاہا
کہ اسے پورا کرنے سے پہلے باہر نہ آؤں۔
ہم نے صحابہ کرام سے دریافت کیا۔
آپ لوگ قرأت کے لئے کس طرح
قرآن کی منزلیں مقرر کرتے ہیں؟ انہوں
نے کہاتیں سورتیں، پانچ سورتیں،
سات سورتیں، نو سورتیں، گیارہ سورتیں،
تیرہ سورتیں اور ایک حزب ق سے
ختم تک اسی ترتیب سے قرآن، ہم
پڑھتے ہیں۔

(الحديث) وفيه فقال لنا
رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم طراء على حزب
من القرآن فاردت ان لا
اخرج حتى افضيه، فالتنا
اصحاب رسول الله صلى الله
تعالى عليه وسلم قلنا كيف
تجزون القرآن؟ قالوا
نجزيه ثلاث سور وخمس
سور وسبع سور وتسع سور
واحدى عشرة وثلاث عشرة وحزب
من ق حتى نختم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عہد رسالت میں ختم قرآن کے
لئے سات منزلیں مقرر کرتے تھے۔

پہلی منزل تین سورتوں پر مشتمل ہوتی۔ بقرہ، آل عمران، نساء، دوسری
منزل پانچ سورتوں پر، مائدہ، انعام، اعراف، انفال، توبہ، تیسری منزل
سات سورتوں پر، یوسف، ہود، یوسف، زمر، ابراہیم، حجر، نحل، چوتھی
منزل نو سورتوں پر، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طہ، انبیاء، حج، مؤمنون، نور،
فرقان، پانچویں منزل، گیارہ سورتوں پر، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم،
لقمن، سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، یس، چھٹی منزل، تیرہ سورتوں پر، صافات،

ص. زمر، مؤمن، حم مجده، شورائی، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، سورہ
محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فتح، حجرات اور ساتویں منزل، سورہ ق سے آخر
قرآن تک پر مشتمل تھی۔

منزلوں اور سورتوں کی یہ ترتیب بعینہ وہی ہے جو آج رائج ہے، اسی
لئے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

فہذا یدل علی ان ترتیب
السور علی ما ہونی المصحف
الان کان علی عہد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
ویحتمل ان الذی کان مرتباً
حینئذ حزب الفصل خاصۃ
بخلاف ما عداہ۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت ہے کہ
سورتوں کی جو ترتیب مصحف میں آج
ہے وہی ترتیب عہد رسالت میں
بھی تھی، ہاں یہ ممکن ہے کہ باضابطہ
صرف منزل مفصل کی ترتیب ہی گئی
ہو، اور بقیہ کی اس وقت اس طرح
باضابطہ تدوین و ترتیب نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶)

(۴) متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر
سال ماہ رمضان میں حضرت جبریل کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرتے، اور
زندگی کے آخری رمضان میں دوبارہ قرآن کا دور کیا۔ تہذیب صحابہ اسی دورہ اخیر
کے مطابق ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

اس الی ان جبریل کان
یعارضنی القرآن کل سنة
مرة وانہ عارضنی العام
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے مجھ سے روزانہ فرمایا،
جبریل میرے ساتھ ہر سال ایک بار

مرتین ولا اراہ لاحضر
اجلی وائک اول اهل بیتی
لملاقائی۔

(بخاری باب علامات
النبوت ج ۱ ص ۵۱۲)

قرآن کا دور کرتے اس سال دو
بار میرے ساتھ قرآن کا دور کیا ہے
اس سے میں بھی سمجھتا ہوں کہ میرا
وقت اجل قریب آچکا ہے اور میرے
گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ
سے ملو گی۔

صحیح بخاری، جامع ترمذی، اور سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

انہوں نے فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیر میں سب
سے زیادہ سخی تھے، اور ان کی سخاوت
رمضان میں اور بھی زیادہ ہوتی جبریل
ان سے رمضان کی ہر شب میں ملتے۔
ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
قرآن کا دور کرتے۔ توجب جبریل
ان سے ملتے تو ان کا فیضان کرم،
نفع عام کے لئے بھی ہوتی ہو اسے
بھی زیادہ ہوتا۔

امام بخاری و مسلم و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت

کی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قال کان یعرض علی النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
القرآن کل عام مرة
فعرض علیہ مرتین فی العام
الذی قبض۔

کے ساتھ ہر سال قرآن کا ایک بار
دور ہوتا۔ تو جس سال سرکار نے
وفات پائی دو بار «دورۃ قرآن»
ہوا۔

امام احمد، ابن ابی داؤد، اور طبری نے بطریق عبیدہ بن عمر سلمانی
روایت کی ہے۔

ان الذی جمع علیہ عثمان التاس
یوافق العرصة الاخيرة۔

حضرت عثمان نے جس زبان
و قرآن پر لوگوں کو جمع کیا ہے وہ
دورۃ اخیرہ کے مطابق ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۷)

حاکم نے حضرت سمرہ سے بسند حسن روایت کی اور حاکم نے نوے صحیح
بتایا ہے۔

عرض القرآن علی رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
عرضات ویقولون ان قراء
تنا هذا هي العرصة
الاخيرة۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم پر کئی بار قرآن کا دور
ہوا۔ اور صحابہ بتاتے ہیں کہ ہماری
یہ قرارت وہی آخری دورۃ قرآن
والی ہے۔

ابن اشنہ نے حضرت ابن سیرین سے بھی حضرت ابن عباس و سمرہ کے
ہم معنی روایت کی ہے۔ ابن الانباری نے معاصف میں ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے
روایت کی ہے کہ

کان قراءة ابی بکر وعمر وعثمان
وزید بن ثابت والمهاجرین

حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، زید
بن ثابت، مهاجرین اور انصار کی

والانصار واحدة وهي
التي قرأها صلى الله تعالى
عليه وسلم على جبرئيل
مرتين في العام الذي
قبض فيه. وكان
زيد شهد العرصة الاخيرة
وكان يقرئ الناس
بها حتى مات ولد لك
اعتمده الصديق
في جمعه وولاه عثمان
كتبة المصاحف.

(قسطلان ج ۷ ص ۳۵۹)

ابو عبيد نے داؤد بن ہنہ سے روایت کی ہے۔

قال قلت للثبتي قوله تعالى
شهر رمضان الذي انزل فيه
القرآن اما كان ينزل عليه
في سائر السنة قال بلى ولكن
جبرئيل كان يعارض
مع النبي صلى الله تعالى عليه
وسلم في رمضان ما انزل
الله فيحكم الله ما يشاء و

عہ کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۴

قرارت ایک ہی تھی۔ اور یہ وہی
تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے اپنے سال وفات
حضرت جبرئیل علیہ السلام کے
سامنے دوبار پڑھی۔ اور حضرت
زید قرآن کے دورۂ اخیرہ میں حاضر
تھے۔ اور لوگوں کو اپنی وفات
تک وہی قرارت کراتے تھے اسی
لئے حضرت صدیق نے اپنی تدبیر
میں ان پر اعتماد کیا۔ اور حضرت
عثمان نے کاتبین مصاحف کا سربراہ
ان ہی کو بنایا۔

انہوں نے کہا میں نے امام
شعبی سے عرض کیا، اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے رمضان کا مہینہ جس میں
قرآن اتارا گیا تو کیا قرآن باقی سال
میں نہیں اترتا تھا؟ انہوں نے
فرمایا کیوں نہیں! لیکن حضرت جبرئیل
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
ساتھ ماہ رمضان میں، تانلی شدہ

یٰسُورَةُ مَا يَشَاءُ فَكَانَ السَّر
فِي عَرْضِهِ صَرْتَيْنِ
فِي سَنَةِ الْوَفَاةِ اسْتَقْرَارِهِ
عَلَى مَا كَتَبَ فِي
الْمَصْحَفِ الْعُثْمَانِي
وَالْاِقْتِصَارِ عَلَيْهِ
وَقَرَأَ مَا عَدَا ه
(تسلائی ج ۷ ص ۳۶۴)

قرآن کا دور کیا کرتے تھے تو اللہ
تعالیٰ جے چاہتا حکم فرماتا اور جسے
چاہتا منسوخ فرماتا۔ سال وفات
دو بار دور ہونے میں یہی راز تھا
کہ قرآن اسی پر مستقر ہو جائے جو
(بعد میں) مصحف عثمانی میں لکھا گیا
اسی پر اقتصار ہوا اور اس کے
علاوہ کو ترک کر دیا جائے۔

(۵) علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر میوطی فرماتے ہیں۔

وَمَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ تَوْقِيفِي
كُونَ الْحَوَامِيمَ رَتَبَتْ وَلَا
وَكَذَا الطَّوَّاسِينَ وَلَمْ يَرْتَبْ
الْمَبَاحَاتِ وَلَا وَبِلِ فَصْلِ
بَيْنَ سُوْرَهَا وَفَصْلِ بَيْنَ
طَسْمِ الشَّعْرَاءِ وَطَسْمِ
الْقَصَصِ بِطَسْمٍ مَعَ
أَنَّهُمَا اقْصَرَا عَنْهَا - وَلَوْ
كَانَ التَّرْتِيبُ اجْتِهَادًا
يَالِئًا كَرَّتِ الْمَبَاحَاتُ
وَلَا وَآخِرَت

قریب سور کے توقیفی ہونے کی
دلیل یہ بھی ہے کہ ”طسم“ اور ”طس“
والی سورتیں مسلسل مرتب کی گئیں۔
مگر بن سورتوں کے شروع میں سب
کا کلمہ ہے وہ مسلسل نہیں بلکہ ان
میں فعل ہے۔ اور ”طسم“ شعراء
اور ”طسم“ قصص کے درمیان
”طس“ غل“ رکھی گئی ہے حالانکہ
”طس“ ان دونوں سے چھوٹی
ہے۔ اگر ترتیب اجتہادی ہوتی تو
سجرات (کلمہ تسبیح والی سورتیں)

طس عن القصص - مسلسل ہوتیں۔ اور "طس" نمل

(آلقان ج ۱ ص ۶۵) طس قصص کے بعد ہوتی۔

اسی معنی کے قریب علامہ قسطلانی نقل فرماتے ہیں۔

قال بعضهم لترتيب مصحف میں کتابت سور کی

وضع السور في المصحف ترتیب پر کچھ ایسے شواہد ہیں جن پر

اشياء تطلعك على انه توقيفي غور کرے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ترتیب

صادر عن حکیم۔ توفیقی اور بلاشبہ ایک حکمت والے

(ارشاد الساری ج ۲ ص ۳۶۳) کی طرف سے صادر ہے۔

توفیقی ہونے پر یہ چند امور دال ہیں۔

(۱) حروف کی یکسانیت جیسے حم والی سورتیں ہیں (۲) ہر سورہ کا

شروع اس سے پہلی سورہ کے آخر سے مندرجہ موافقت رکھتا ہے جیسے الحمد

کا آخر اور بقرہ کا شروع ایک دوسرے سے مناسبت رکھتا ہے اس وزن لفظی

کی مناسبت جیسے آخرتیت اور اول اخلاص (۴) مجموعی طور پر بھی ایک سورہ

دوسری سے مشابہت رکھتی ہے جیسے الضحیٰ اور الم نشرح۔ ایضاً۔

علامہ قسطلانی نے اس کے علاوہ مزید باتیں بھی بیان کی ہیں۔ اور

آیات و سور کی باہمی مناسبت تفسیر کبیر وغیرہ میں تو ہر جگہ مفصل طور پر بیان

کی گئی ہے۔

• علامہ بقاعی کی اس موضوع پر مستقل تصنیف ہے "نظم الدرر فی مناسبت

الہی والسور" جو آٹھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے

ان بیانات کا مفاد یہی ہے کہ ترتیب سورہ توفیقی اور تعلیم رسول علیہ

الصلوة والسلام کے مطابق ہے۔ بعینہ ہی ترتیب لوح محفوظ کی بھی ہے۔

علامہ کرمانی برہان میں فرماتے ہیں۔

ترتیب السورہ کذا ہو عند
اللہ فی اللوح المحفوظ علی
ہذا الترتیب وعلیہ کان صلے
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یمرض
علی جبریل کل سنۃ
ما کان یجتمع عنده منہ
وعرضہ علیہ فی السنۃ
التي توفی فیہا مرتین
وکان اخرا لایات نزولہ واثقوا یوما
ترجعون فیہ الی اللہ) فاموہ جبریل ان
یضعہا بین ایتی الریاء والذین
(اللقان ج ۱ ص ۶۴)

سورتوں کی بعینہ یہی ترتیب
لوح محفوظ میں بھی ہے۔ اور اسی
ترتیب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ہر سال جبریل علیہ السلام
سے قرآن کا دور کرتے۔ جب جبریل
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
رمضان میں ملتے۔ اور اسی ترتیب
پر وفات کے سال دوبارہ قرآن
فرمایا۔ سب سے آخر میں (والثقوا یوما
ترجعون فیہ الی اللہ) نازل ہوئی۔ جسے
حضرت جبریل نے آیت رہا اور آیت
دین کے درمیان رکھنے کو بتایا۔

جو لوگ ترتیب سورہ کو اجتہادی بتاتے ہیں ان کا عظیم استدلال یہ ہے
کہ اگر ترتیب سورہ اجتہادی نہ ہوتی تو مصاحف سلف میں اختلاف نہ ہوتا۔
مگر مصاحف سلف قرآن کے زمانہ نزول کے۔ اور آخری دورہ قرآن
سے پہلے کے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن کی
ترتیب آخری دورہ قرآن کے موافق رکھی گئی۔ جو اس بارے میں اصل اور مرجع
و معتمد ہے۔ پھر اسی ترتیب پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔ لہذا اس سے پہلے کا
اختلاف اس ترتیب کے اجتہادی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اور اس
اختلاف کی بنیاد پر عہد عثمانی کی تصدیق کے قویٰ ہونے کا انکار درست نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

الا صرح ان ترتیب السور توقیفی
ایضاً وان کانت مصاحفہم
مختلفة قبل العرضة الاخيرة
التي علیہا ممد ارجع عثمان
(مرقات ج ۲ ص ۶۳۳)

اور حضرت علی کا مصحف تو محض اس لئے تھا کہ انہوں نے ترتیب
قرارت کے مطابق اسے لکھا ہی نہ تھا۔ بلکہ اسے ترتیب نزول کے مطابق
جمع کیا تھا۔ تاکہ یہ سب سے پہلے سکے کہ کون سی سورہ پہلے اور کون سی بعد میں نازل
ہوئی۔ تو یہ ایک علی ترتیب ہوئی۔ واقعہ اگر وہ ہوتا تو اس سے ایک بڑا علم
مال ہوتا۔ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت میں وہ کارآمد ہوتا۔ پھر مصحف عثمان
خود حضرت علی کا تائید یافتہ ہے۔ صحابہ کرام کے ساتھ وہ بھی شریک اجماع
ہیں۔

علامہ قطلابی تحریر فرماتے ہیں کہ ترتیب سور کے اجتہادی اور
توقیفی ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف لفظی ہے۔ معنی دونوں کا مائل
ایک ہی ہے۔

لان القائل بالاول يقول انه
رمز اليهم ذلك
لعلمهم باسباب نزوله
ومواقعة كلماته
ولذلك قال الامام مالك
اس لئے کہ اجتہادی کے
قائل بھی یہی کہتے ہیں کہ ترتیب کا
معاملہ صحابہ کے سپرد کروایا گیا اس
لئے کہ وہ قرآن کے اسباب نزول
اور اس کے کلمات کے مواقع سے

وَأَمَّا الْقَوْلُ الْقَرَّانِ
عَلَى مَا كَانَ الْيَمْعُوتُ
مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ -

اچھی طرح واقف تھے۔ جب ہی تو
امام مالک نے فرمایا۔ کہ صحابہ نے
قرآن کی تدوین اسی طرح کی ہے جس
طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے سنا کرتے تھے۔

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۶۳)

حالانکہ امام مالک ترتیب سور کے اجتہادی ہونے کے قائل ہیں۔ اس
سے معلوم ہوا کہ اختلاف محض لفظی ہے کہ توقیفی کے قائلین یہ بتاتے ہیں کہ
صحابہ نے سورتوں کی ترتیب "حکم رسول" کے مطابق رکھی ہے۔ اور اجتہادی
کے قائلین یہ بتاتے ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
حکم صریح نہ تھا بلکہ سورتوں کی ترتیب کا معاملہ صحابہ پر چھوڑ دیا گیا تھا اس
لئے کہ صحابہ خود جانتے تھے کہ ہر سورہ اور قرآن کے ہر کلمہ کا مقام کہاں ہے۔
کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت سن چکے تھے۔ چنانچہ اسی
کے مطابق انہوں نے سورتوں کی ترتیب و تدوین رکھی۔ تو نتیجہ یہی نکلا کہ ترتیب
سور بہر حال محض اجتہادی نہیں بلکہ "حکم رسول" یا "قرارت رسول" علیہ
الصلوة والسلام کے مطابق ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جامع قرآن

کہا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا وہ جامع قرآن نہیں۔ مگر تفصیلات جاننے
والا آسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایسا بھی نہیں کہ جمع قرآن میں ان کا کوئی دخل ہی نہ
ہو۔ جمع قرآن کے سلسلے میں ان کا بھی نمایاں کردار ہے۔ لہذا بالکل یہ بھی نہیں
کہا جاسکتا کہ وہ سرے سے جامع قرآن ہی نہیں۔ جب خلق خدا قرن اول ہی

سے ایک حقیقت کی بنیاد پر انہیں "جامع قرآن" کے لقب سے یاد کرتی آئی ہے تو سب کو خطا کار ٹھہراتا بھی مناسب نہیں حضرت ذوالنورین بھی بلاشبہ اس لقب کے مستحق ہیں، لہذا انہیں اس لقب سے یاد کرنا صحیح ہے۔

اعظم حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کا اس سلسلے میں ایک رسالہ ہے "جمع القرآن و مہم عزوہ عثمان"۔ اس میں فرماتے ہیں۔

"أصل جمع قرآن بحکم رب العزت، حسب ارشاد حضور پر نور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوا تھا۔ سب سورت کا یکجا کرنا باقی تھا۔ جو امیر المومنین صدیق اکبر نے مشورۃ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا۔ پھر اسی مجمع فرمودہ صدیق کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان نے بشورۃ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلاد اسلام میں شائع کئے۔ اور تمام امت کو اصل ہجرت قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی۔ اسی وجہ سے وہ جناب "جامع القرآن" کہلائے۔ ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالیٰ شانہ ہے۔ کما قال عز من قائل: ان علینا جمعه وقرآنہ (بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھنا)۔ اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسی رسالہ میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

سورۃ قرآنہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک دعا (ظرف) میں مجتمع ہو گئی تھیں۔ اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تھا۔ مگر بنو زین کام باقی تھے۔

(۱) اُن مجموع (جمع کردہ) صحیفوں کا ایک دو صحف واحد میں نقل ہونا۔

(۲) اس صحف کے نسخے معظم بلاد اسلام، مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم

قسمتوں میں تقسیم ہوتا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار، کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے۔ اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی، اصلی، منزل من اللہ، ثابت، مستقر، غیر منسوخ، محفوظ لہجے سے جدا تھے، دفع فتنہ کے لئے ان کا محو ہوتا۔

یہ تینوں کام حفظ، حافظ حقیقی، جامع انری جل جلالہ نے اپنے تیسرے نبی امیر المومنین۔ جامع القرآن، ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا۔ اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدہ الہیہ تام و کامل ہوا۔ اس لئے اس جناح کو جامع القرآن، کہتے ہیں۔

خط عربی میں پہلے حركات، سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا۔ اس لئے

اعراب قرآن

قرآن میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے۔ تعلیم، تعلیمون فتح۔ فتح سمر۔ سمر۔ سبب کی شکلیں یکساں ہوتیں۔ مگر یہ عرب کی قدمت زبان اور ان کے فہم کلام کا کرشمہ تھا کہ وہ ان سب کے بغیر اصل حرف و حرکت کی تعبیر کر لیتے، اور صحیح پڑھتے، مصحف عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریباً پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے۔ جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قرأت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں۔ جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہر شکل حروف میں امتیاز کرنے کے لئے علامات مقرر کی جائیں چنانچہ حضرت نصر بن حاتم لیشی نے نقطے ایجاد کئے۔ جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا۔ سب سے پہلے بار اور تار پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوئے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کے لئے

نور اور رونق ہیں۔ انہوں نے اس وقت اختتام آیت کی علامت سے بھی اولاً نقطے ہی سے مقرر کی۔ پھر موجودہ علامات ایجاد کیں۔

اعراب کی سب سے پہلے ایجاد کرنے والے ابوالاسود دہلی تابعی بھی ہیں۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ آغاز پر علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی۔ انہوں نے ایک شخص کو ان اللہ برئ من المشرکین ورسولہ (بکسرہ لام) پڑھتے سنا جس کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ بے شک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی بہت بڑی تھی انہوں نے فرمایا "معاذ وجہ اللہ ان یبرئ من رسولہ" (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انہیں اعراب کی ضرورت کاشت سے احساس ہوا۔ جس کے بعد انہوں نے اعراب وضع کیا۔ مگر اس وقت زیر۔ زیر۔ پیش وغیرہ کی یہ شکلیں نہ تھیں جو آج ہیں۔ انہوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا۔

فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لئے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے مخالف رنگ کی روشنائی استعمال کرتے زیر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ، صمۃ کے لئے حرف کے اندر ایک نقطہ، اور تشدید کے لئے دو نقطے مقرر کیئے۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید، مند، ہمزہ، جزم۔ وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں اور کسرہ، فتحہ، صمۃ، (زیر، زیر پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

جب اعراب اور نقطوں کے بعد بھی لوگوں نے قرأت میں غلطیاں دیکھیں تو اس کے حل پر بھی غور کیا۔ مگر سوائے اس کے کوئی حل نظر نہ آیا کہ لوگ قراء علماء اور حفاظ سے زبانی طور پر اصلاح اور تعلیم و تلقین حاصل کریں۔

پھر علماء امت نے علم حروف، علم اعراب، فن تجوید، اور علم قرأت مختلفہ میں باقاعدہ کتابیں لکھیں تمام امور کی توضیح و تفسیح کی اور مشکلات کا ازالہ فرمادیا۔

قرآن الگ الگ سورتوں میں تو شروع ہی سے منقسم تھا۔ ایک حدیث گزری جس سے معلوم ہوا کہ سات منزلوں کی تعیین و تقسیم بھی عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ پاروں کی تقسیم حجاج ہی کے زمانے میں ہوئی اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اسی نے حسن اور یحییٰ بن یعمر سے لگوائے۔ دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (مے) لگی ہوتی ہے۔ اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی۔ اس طرح کہ نماز تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کیا کرتے اس کے اختتام پر کنارے یہ علامت (ع) لگا دی گئی۔

تفسیر روح البیان از علامہ اسماعیل حقی ۲ ۱۱۳۷ھ ج ۹ ص ۹۹ آخر سورہ حجرات مطبع عثمانیہ استنبول ۱۹۲۶ء۔ تفسیر نعیمی۔ از مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ ۱۳۹۱ھ۔ مقدمہ۔

قرآن کی سورتوں آیتوں اور کلمات حروف کی تعداد

تمام معتبر لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ آیتوں کے بارے میں ابو عمرو دانی ارشاد فرماتے ہیں کہ چھ ہزار آیات تو بالاجماع سب کہتے ہیں۔ زائد کی تعیین میں اختلاف ہے ابن الصریس نے یہ المغیرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن میں

چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں ہیں اور تین لاکھ تیس ہزار چھ سو اکیس حروف ہیں۔
ایک جماعت نے کلمات قرآن ستر ہزار نو سو چونتیس شمار کئے ہیں۔ واللہ
تعالیٰ اعلم۔

دالتان ج ۱ نوع ۱۹ ص ۶۹ و ۷۲ - مفتاح السعاده ومصباح الیاده فی موضوعات
العلوم - احمد بن مصطفیٰ شکرئی زاده - ج ۲ ص ۳۹۴ تا ۳۹۶ لے

اے اعداد مندرجات کافرق شمار کرنے والوں سے شمار میں اختلاف کی وجہ سے ہے جس ۳۲ پر ایک
نقشہ دیا گیا ہے وہ بھی صرت ایک شمار کے تحت ہے۔ ۱۲

قرآن میں

الف	۴۸,۸۷۲	ب	۱,۲۷۴	نقطے	۱۰,۵,۶۸۴
ب	۱۱,۴۲۸	ظ	۸۴۲	زیر	۵۳,۲۲۳
ت	۱۰,۱۹۹	ع	۹,۲۲۰	زیر	۳۹,۵۸۲
ث	۱۰,۲۷۷	غ	۲,۲۰۸	پیش	۸۸۰۴
ج	۳,۲۷۳	ف	۸,۴۹۹	د	۱,۷۷۱
ح	۲,۹۹۳	ق	۶,۸۱۳	تشدید	۱,۲۵۳
خ	۱,۴۱۶	ک	۹۵۰۰	کلمات	۷۷,۴۳۶
د	۵,۶۲۲	ل	۳,۴۲۳	سورتیں	۱۱۴
ذ	۳,۶۹۹	م	۲۶,۱۲۵	رکوعات	۵۴۰
ر	۱۱,۷۹۹	ن	۲۶,۵۶۰	آیات مجرہ	۱۴
ز	۱,۵۹۰	و	۲۵,۵۳۶	اعشار کوئی	۴۲۳
س	۵,۸۹۱	ہ	۱۹,۵۷۰	اعشار بھری	۶۲۳
ش	۲,۲۵۳	لا	۴,۷۲۰	اخصاس کوئی	۸۴۷
ص	۲,۰۱۳	ی	۲۵,۹۱۹	اخصاس بھری	۱,۲۴۶
ض	۱,۶۰۷	کل حروف	۳,۲۲۶۰۰	آیات عامہ	۶,۶۶۶

بتان العارفين از - فقه الواليت سمرقندی (۵۳۷۳۴) بحوالہ اشراق ترات شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ علیہا الرحمہ

فاتحۃ الکتاب

سورۃ فاتحہ سے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ اسے مصحف میں نہ لکھتے۔ ابو عبید نے بسند صحیح ابن سیرین سے روایت کی ہے۔

ابن سیرین نے فرمایا ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب معوذتین اللہم انا نستعینک اور اللہم ایاک نعبد لکھیں اور حضرت ابن مسعود نے یہ سب نہ لکھیں اور حضرت عثمان نے ان میں سے صرف فاتحۃ الکتاب اور معوذتین لکھیں۔

قال کتب ابی بن کعب فی مصحفہ فاتحۃ الکتاب والمعوذتین، واللہم انا نستعینک واللہم ایاک نعبد وترکھن ابن مسعود وکتب عثمانہن فاتحۃ الکتاب والمعوذتین۔

(اتقان ج ۱ ص ۶۵ نو ۱۹۴)

عبد بن حمید نے ابراہیم سے روایت کی۔

ابراہیم نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود فاتحۃ الکتاب مصحف میں نہ لکھتے اور فرماتے اگر میں اسے لکھتا تو بالکل شروع میں لکھتا۔

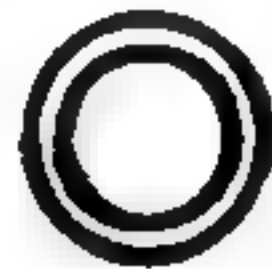
قال کان عبد اللہ لا یکتب فاتحۃ الکتاب فی المصحف و قال لو کتبتہا لکتبت فی اول کل شیء (در منشور ج ۱ ص ۱)

ان روایتوں سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحہ الکتاب اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ انہیں قرآنیت فاتحہ میں کوئی شک رہا ہو۔ نہ ہی یہ کسی قابل ذکر شخصیت کا قول ہے۔ معوذتین کے بارے میں تو بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو ان کی قرآنیت سے انکار تھا لیکن سورہ فاتحہ کے بارے میں وہ بھی یہی مانتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ قرآنیت فاتحہ کے قائل تھے۔ مثلاً ابن قتیبہ مشکل القرآن میں رقم طراز ہیں دو واضح ہے کہ ابن قتیبہ معوذتین کے بارے میں حضرت ابن مسعود کی طرف انکار قرآنیت کی نسبت صحیح ماننے والوں میں سے ہیں۔

واما اسقاطه الفاتحة
من مصحفه فليس
بظنه انها ليست من القرآن
معاذ الله - ولكنه
ذهب الى ان المترائ
انما كتب وجمعه بين
اللوحين مخافة الشك
والنسيان والزيادة والنقصان
ورأى ان ذلك ما
هو في سورة الحمد
لقصرها و
وجوب قلمها على

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے مصحف میں سورہ فاتحہ نہ لکھنا اس گمان کی بنیاد پر نہیں کہ معاذ اللہ وہ قرآن نہیں بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن کی کتابت و تدوین کی غرض یہ ہے کہ شک و نسیان اور کمی بیشی کا اندیشہ جاتا رہے اور سورہ فاتحہ کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں کیونکہ یہ مختصر ہے اور ہر شخص پر اس کا سیکھنا واجب ہے اس لئے اس کی قرآنیت میں کسی شبہ کی گنجائش

کل احد -
 (اتقان ج ۱ ص ۹۲)
 یا اس کے نسیان کا امکان نہیں
 لہذا اس کے لکھنے کی ضرورت بھی نہیں
 اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے قرآنیت فاتحہ میں
 کسی شک و شبہ کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے۔ جبکہ انہوں نے پوری زندگی
 نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز میں اس کی قرأت سنی۔ خود بھی قرأت
 کی۔ خلفاء و صحابہ سے بھی سنی پھر قرأت صحیحہ متواترہ جو حضرت ابن
 مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اس میں بھی سورہ فاتحہ موجود
 ہے لہذا یہ امر بالکل قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے نزدیک سورہ فاتحہ جزو قرآن ہے۔ اس پر مزید کسی بحث کی ضرورت
 نہیں۔ معوذتین کی بحث میں ضمنی طور پر سورہ فاتحہ کا ذکر جا بجا آ رہا
 ہے۔ مگر یہ قول فیصل پیش نظر رکھیں۔



معوذتین کی قرآنیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث سے اس باب میں سخت خلجان پیدا ہو گیا ہے۔ مخالفین کو اعتراض کا موقع ملا۔ موافقین کو حیرت ہوئی اور ان کے سلسلے میں ظاہر آئین قول سامنے آ گئے۔ یہ بحث بسط و تفصیل کا متقاضی ہے اس لئے تفصیل مناسب۔

امام احمد اور ابن حبان کی روایت میں ہے۔

عبداللہ بن مسعود معوذتین (قل)
عبداللہ بن مسعود کان
لا یکتب المعوذتین فی المصحف
اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس
اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

عبداللہ بن امام احمد نے زیادات سند میں۔ اور ابن مردودہ نے بطریق
المرش۔ ابواسحق سے، انہوں نے عبدالرحمن بن یزید نخعی سے روایت کی ہے۔

عبداللہ بن مسعود اپنے مصحف
کان عبداللہ یحک المعوذتین
سے معوذتین کھرج دیتے اور کہتے یہ
من مصاحفہ ویقول انہما
دو نزل "کتاب اللہ" سے نہیں۔
لیسا من کتاب اللہ۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶۔ ارشاد الساری ص ۳۵۲ ج ۷۔ عمدۃ القاری ص ۲۰ ج ۲۰)
علامہ جلال الدین سیوطی "الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور" میں مختلف

روایات و طروق کو یکجا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اخرج احمد والبخاری والطبرانی وابن مردويه
وابن مردويه "من طرف
صحيحه" عن ابن عباس وابن
مسعود "انه كان يحك المعوذتين
من المصحف" ويقول "لا تخطوا
القرآن بما ليس منه اثمها ليسا من
كتاب الله" انما امر النبي صلى الله
تعالى عليه وسلم ان يتعوذ بهما "وكان
ابن مسعود لا يقرأ بهما -
در منشور ج ۶ ص ۴۱۶ مطبوعه بيروت
عكس طبع المطبعة المصيرية مصر ۱۳۱۴هـ

امام احمد - بخاری - طبرانی، ابن مردویہ
نے بطرق صحیحہ حضرت ابن عباس
وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے
روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود
معوذتین مصحف سے کھرچ دیتے
اور فرماتے قرآن کو اس سے نہ ملاؤ
جو قرآن سے نہیں۔ یہ دونوں کتاب اللہ
سے نہیں بنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
صرف ان سے تعوذ کا حکم دیتے۔
ابن مسعود ان دونوں کی قراءت
نہ کرتے۔

ان طرق وروایات سے حضرت ابن مسعود کے بارے میں چند باتیں معلوم
ہوئیں۔

- (۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کی مصحف سے مٹا دیتے۔
 - (۲) وہ فرماتے۔ قرآن کو اس سے مخلوط نہ کرو "جو قرآن سے نہیں۔"
 - (۳) معوذتین "کتاب اللہ" سے نہیں۔
 - (۴) بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا ہے۔
 - (۵) حضرت ابن مسعود۔ معوذتین کی قراءت نہ کرتے۔
- یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان
تمام طرق کے صرف "حسن" نہیں بلکہ صحیح ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

اقوال علماء

اس بحث میں علماء کے تین اقوال نظر آتے ہیں۔
(۱) حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیت معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے۔ مگر صرف ان کے انکار سے قرآنیت معوذتین کے تواتر و قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۲) حضرت ابن مسعود کی طرف فاتحہ و معوذتین کے انکار قرآنیت کی نسبت بالکل غلط۔ باطل اور نامقبول ہے۔

(۳) روایت انکار صحیح ہے مگر ان میں انکار قرآنیت کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ مصحف میں انہیں لکھنے سے انکار کرتے تھے۔

قول اول

وقال ابن قتیبہ فی مشکل القرآن
ظن ابن مسعود ان المعوذتین
لیستا من القرآن لانه رأى النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعوذ
بہما الحسن والحسین فاقر
علی ظنہ ولا نقول انہ اصاب
فی ذلک واخطا المہاجرون
والانصار۔

(اتقان ج ۱ ص ۸۲)

علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں ناقل ہیں۔
ابن قتیبہ۔ مشکل القرآن میں لکھتے ہیں۔
حضرت ابن مسعود نے گمان کیا کہ معوذتین قرآن سے نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معوذتین پڑھ کر دم کیا کرتے۔ تو وہ اپنے ظن پر قائم رہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس بارے میں صحیح خیال پر ہیں اور مجاہدین و انصار غلطی پر۔

اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت ابن مسعود معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تو قرآنیت معوذتین اجماعی و یقینی نہ رہی۔

علامہ جلال الدین سیوطی اسکا ذکر فرماتے ہیں۔

قال البزار لم يتابع ابن مسعود احد من الصحابة وقد
صح عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم انه قرأهما في الصلوة
وانتبتا في المصحف (در مشورہ ص ۴۱۶ ج ۶)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ۔

(۱) حضرت ابن مسعود اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ بزار نے مسند میں بیان
فرمایا کہ ایک صحابی نے بھی حضرت ابن مسعود کی یہ رائے نہ مان۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بصحت ثابت ہے کہ انہوں نے نماز
میں معوذتین کی قرأت فرمائی۔ ظاہر ہے کہ نماز میں قرأت قرآن ہی کی ہو سکتی
ہے غیر قرآن کی نہیں۔ لہذا جب سرکار سے قرآنیت معوذتین ثابت تو حضرت
ابن مسعود کے انکار کا کیا اثر؟

(۳) یہ دونوں سورتیں مصحف عثمانی میں ثبت کی گئیں۔ مصحف میں وہی
چیز لکھی گئی ہے جس کا قرآن غیر منسوخ ہونا ثابت ہے۔ اس مصحف پر اجماع
صحابہ قائم ہے۔ لہذا اس اجماعی مصحف میں کتابت معوذتین سے ان کی قرآنیت
اجماعی و یقینی ہو گئی۔ اور اس مصحف کے بالمقابل تنہا حضرت ابن مسعود
کا قول حجت نہیں۔

معوذتین کی قرآنیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت
ہے۔ اس بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی کی ذکر کردہ احادیث سے
ہم یہاں صرف وہ حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے ”صراحتہ“ قرآنیت معوذتین
کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) امام احمد اور ابن ضریس نے بسند صحیح حضرت ابوالعلا یزید بن عبد اللہ

بن شخیر سے روایت کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (صحابی) نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور لوگ باری باری سوار ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور میرے اترنے کی باری اُلی تو سرکارِ مجھ سے آملے۔ میرے کاندھے پر مار کر فرمایا۔ قل اعوذ برب الفلق۔ میں نے کہا اعوذ برب الفلق سرکار نے اسے پڑھا اور ان کے ساتھ میں نے بھی پڑھا۔ پھر فرمایا قل اعوذ برب الناس۔ سرکار نے اسے بھی پڑھا اور ان کے ساتھ میں نے پڑھا۔ فرمایا۔

اذا انت صلیت
جب تم نماز پڑھو تو ان دونوں
کی قرائت کرو۔

(۲) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن الغریس، ابن التباری، ابن مردویہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انزلت علی آیات لمار
مثل من قتل اعوذ برب
الفلق، وقل اعوذ برب
الناس۔
مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئیں
جن کی مثل میں نے کبھی نہ دیکھی
قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ
برب الناس۔

(۳) ابن ضریس، ابن التباری، حاکم، دبا قارہ تصحیح، ابن مردویہ اور بیہقی (فی الشعب) نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اور ابوا کے درمیان چل رہا تھا کہ ہم پر آندھی اور سخت تاریکی نے چھا لیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس

سے تعوذ کرتے لگے اور فرمانے لگے۔ اے عقبہ! تم بھی ان سے تعوذ کرو کہ کوئی تعوذ کرنے والا ان کے مثل سے تعوذ نہ کر پائے گا۔ فرماتے ہیں۔

وسمعتہ یومئذنا
بہما فی
الصلوۃ۔
میں نے سرکار کو نماز میں ان ہی
دونوں سورتوں سے امامت
کرتے سنا۔

(۴) ابن مردویہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا عقبۃ اقرا بقل
اعوذ برب الفلق وقل اعوذ
برب الناس فانک لت
تقرأ ابغض منہما۔
اے عقبہ، قل اعوذ برب الفلق اور
قل اعوذ برب الناس کی (نمائش)
میں قرأت کرو کہ تم ان دونوں سے
بلیغ تر کی قرأت ہرگز نہ کرو گے۔

سرکار نے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی قرأت کا حکم دیا۔ اگر یہ بعینہ قرآن کی سورتیں نہ ہوتیں تو بغیر قل کے اعوذ برب الفلق اعوذ برب الناس پڑھنے کا حکم دیتے علاوہ انہیں اقرا بہ عمومًا اقراء نماز کے لئے استعمال ہوتا ہے ورنہ اقراہ کہا جاتا ہے۔

(۵) ابن مردویہ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من احب السور
الی اللہ قل اعوذ برب الفلق
وقل اعوذ برب الناس
اللہ کے نزدیک محبوب ترین سورتوں
میں سے قل اعوذ برب الفلق اور
قل اعوذ برب الناس ہیں۔

(۶) ابن مردویہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

کی انہوں نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔
 فصلی الغداة فقرا فیہما
 تو سرکار نے نماز صبح پڑھی اور اس
 میں معوذتین کی قرات فرمائی پھر
 فرمایا۔ اے معاذ تم نے سنا؟ میں
 نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا اس
 کے مثل سے لوگوں نے قرات نہ کی۔
 الناس بمثلہم۔

(۷۷) ابن ابی شیبہ، اور ابن الضریس نے عقبہ بن عامر جہتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
 ساتھ ایک سفر میں تھا جب فجر طلوع ہوئی اذان و اقامت کہی پھر مجھے اپنے
 دائیں کھڑا کیا پھر معوذتین کی قرات کی جب فارغ ہوئے فرمایا تم نے
 کیسا دیکھا۔ میں نے عرض کیا میں نے دیکھا یا رسول اللہ۔ فرمایا تو ان دونوں
 کو پڑھ لیا کرو جب سوؤ اور جب اٹھو۔

اسی واقعہ اور اسی معنی کے قریب حاکم نے بھی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(۷۸) ابن الانباری نے حضرت قتادہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

اقراء بقل اعوذ برب
 الفلق وقل اعوذ برب
 الناس فافہما من احب
 القرآن الى الله۔
 قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ
 برب الناس کی قرات کرو کہ یہ
 دونوں اللہ کے نزدیک محبوب
 ترین قرآن سے ہیں

(۷۹) ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں

نے بیان کیا کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بھوری مادہ پتھر ہدیہ کیا اس میں ذرا سرکشی تھی۔ سرکار نے زیر سے فرمایا اس پر سوار ہو کر اسے رام کرو۔ حضرت زیر ڈرے سرکار نے فرمایا اس پر سوار ہوؤ۔ اور قرآن پڑھو عرض کیا کیا پڑھوں؟ فرمایا قل اعوذ برب الفلق۔ قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ما قیمت تصلی بمثلہما۔ اس کے مثل کے ساتھ نماز نہ پڑھو گے۔

(۱۰) امام احمد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی بنی کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا عقبہ بن عامر الا علمک	اے عقبہ بن عامر کیا تمہیں تو ریت
خیر ثلاث سور انزلت	انجیل، زبور اور فرقان عظیم میں
فی التوٰۃ والانجیل والزبور	نازل شدہ تین سورتوں میں سب
والفرقان العظیم قلت	سے بہتر نہ سکھا دوں۔ میں نے عرض
بی جعلنی اللہ فداؤک	کیا کیوں نہیں مجھے اللہ آپ پر قربان
قال فافترا فی قل	کمرے۔ بیان کیا کہ پھر سرکار نے
هو اللہ احد وقل اعوذ	مجھے قل هو اللہ احد، قل اعوذ برب
رب الفلق وقل اعوذ	الفلق، اور قل اعوذ برب الناس
رب الناس ثم قال	پڑھائیں۔ پھر فرمایا عقبہ انہیں نہ
یا عقبہ لا تنساھن ولا	بھولنا اور انہیں پڑھے بغیر کوئی
تبت لیلۃ حتی تقرأھن۔	رات بسر نہ کرنا۔

ان احادیث سے معوذتین کی قرآنیت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحتاً انہیں جزو قرآن بتایا۔ کہیں نماز

میں ان کی قرأت کا حکم دیا۔ نہ ان میں قرأت قرآن ہی کی ہوتی ہے۔ کہیں انہیں سورہ اور آیت فرمایا۔ یہ اطلاق جزو قرآن ہی کے لئے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت انکار صحیح مان لینے پر ایک اعتراض لازم آئے گا۔ امام فخر الدین رازی نے عقدہ للذیل فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم یہ کہیں کہ معوذتین کا قرآن ہونا حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھا تو اس کے منکر کی تکفیر لازم آئے گی۔ اور اگر یہ کہیں کہ معوذتین کی قرآنیت اس زمانے میں متواتر نہ تھی تو بعض قرآن کا متواتر ہونا لازم آئے گا۔ مگر اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ معوذتین حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھیں مگر ان کے نزدیک متواتر نہ تھیں اور اس وقت تک ان کی قرآنیت پر چونکہ اجماع صحابہ قائم نہ ہوا تھا اس لئے یہ متواتر ضروریات دین سے قرار پایا تھا۔ لہذا حضرت ابن مسعود کی تکفیر لازم آئے گی۔ ہاں اگر آج کوئی شخص ان کی قرآنیت سے انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

علامہ ابن حجر ناقل ہیں۔

مالعین زکوٰۃ پر کلام کرتے ہوئے
علامہ ابن الصباغ نے فرمایا۔ حضرت
ابوبکر نے مالعین سے منع زکوٰۃ پر
قال تو کیا مگر یہ نہ کہا کہ وہ اس کی
وجہ سے کافر ہو گئے۔ مالعین و منکرین
زکوٰۃ کی تکفیر اس لئے نہ کی گئی کہ اس
وقت تک ربا و جود فرضیت زکوٰۃ
کی قطعیت کے اس کی فرضیت پر

وقد قال ابن الصباغ في
الكلام على مالعي الزكاة
وانما قاتلهم ابوبكر على
منع الزكاة ولم يقل
انهم كفروا بذلك
وانما لم يكفروا
لان الاجماع لم يكن
استقر قال ونحو

الان نکفر من جحدھا
قال وکذا لک ما نقل
عن ابن مسعود فی
المعوذتین یعنی انما
لم یثبت عندہ القطع
بذلک ثم حصل
الاتفاق بعد ذلک .
(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

اجماع قائم نہ ہوا تھا۔ ہاں آج ہم
ہر اس شخص کو کافر کہیں گے جو رکوعہ
کا انکار کرے۔ ابن صباغ نے فرمایا
اسی طرح وہ جو حضرت ابن مسعود
سے معوذتین کے بارے میں منقول
ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اس کی
قطعییت حاصل نہ تھی۔ پھر بعد میں
اجماع قائم ہوا۔

یہی جواب علامہ ابن حجر مہشی (۵۸۵۱/۵۹۲۳ھ) نے الاعلام بقواطع
الاسلام (ج ۲ ص ۶۲) میں ذکر کیا ہے بہر حال انکار قرآنیت کی نسبت صحیح
ماننے پر جو اعتراض قوی لازم آ رہا ہے اس کا معقول و محقق جواب موجود
ہے۔ پھر بھی یہ قول اول راقم کے نزدیک محل نظر ہے۔ آخر بحث میں اس
پر کلام ہو گا۔ مگر یہاں اس قول کو بالاستیعاب ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح
کرنا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف انکار قرآنیت کی نسبت صحیح مان لینے
کے بعد بھی قرآنیت معوذتین کے اجماعی اور متواتر ہونے میں کوئی فرق
نہیں آتا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کو سند بنا کر
قرآن میں نقص نہائی کی کوشش بہر حال ناکام ہے۔

مخالفین کا جواب تو اتنے ہی سے مکمل ہو جاتا ہے مگر موافقین کی
تسکین اور اس بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف
واضح کرنے کے لئے اگلی بحث ضروری ہے۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

قول ثانی

نقل فی

الکتاب القديمة ان ابن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتینکر
کون المعوذتین من القرآن
واعلم انه هذا فی غایة
المعوبة لا فان قلنا
ان النقل المتواتر کانت
حاصلا فی عصر الصحابة
بکون سورة الفاتحة
من القرآن فج
کان ابن مسعود
عالمًا بذلك فانکاره
یوجب الکفر و
نقصان العقل
وان قلنا ان النقل المتواتر فی
هذا المعنی ما کان حاصلًا فی
ذلك الزمان فهذه یفنی
ان یقال ان نقل القرآن
لیس بمتواتر فی الاصل وذلك
یخرج القرآن عن کونه حجة

پہر ان کتابوں میں منقول ہے
کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ
عنه، سورہ فاتحہ اور معوذتین
کے قرآن ہونے سے انکار کرتے
تھے یہ انتہائی مشکل مسئلہ ہے اس
لئے کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ سورہ
فاتحہ کے جزو قرآن ہونے پر عہد
صحابہ میں نقل متواتر حاصل تھی
تو حضرت ابن مسعود اس سے
باخبر ہوں گے۔ پھر ان کے انکار
سے کفر یا کم عقلی لازم آتی ہے۔ اور
اگر ہم یہ کہیں کہ اس بارے میں
اس وقت نقل متواتر نہ تھی تو
اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں
قرآن کی نقل، متواتر نہیں۔ جب
تو قرآن یقینی حجت نہ رہ جائے
گا اور زیادہ غالب گمان یہ ہے
کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ
تعالیٰ عنه، سے اس مذہب کی نقل
جھوٹی اور باطل نقل ہے

یہی مانتے سے یہ عقدہ حل ہو سکے گا۔

یقینیۃ والا غلب علی الظن
ان نقل هذا المذهب

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنه نقل کاذب باطل وبہ یحصل

الخلاص عن هذه العقدة

ومفاتيح القیاب وتفسیر کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۸

ملا علی قاری علیہ الرحمہ شرح شفا میں ناقل ہیں۔

علامہ نووی نے شرح مہذب

میں فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات

پر "اجماع" ہے کہ معوذتین، فاتحہ

اور مصحف میں لکھی ہوئی تمام

سورتیں قرآن ہیں اور جو ان میں

سے کسی کا منکر ہو گا قرہ ہے اور حضرت

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں

جو منقول ہے وہ باطل ہے صحیح

نہیں۔ ابن حزم نے اپنی کتاب

مغلی کے شروع میں کہا کہ یہ ابن

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دروغ

وافتر ہے۔

قال النووی فی شرح المہذب

اجمع المسلمون علی ان المعوذتین

والفاتحة وسائر السور المكتوبة

فی المصحف قرآن وان من

جحد شیئاً منها کفر وما نقل

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنه فی الفاتحة والمعوذتین

باطل لیس بصحیح قال ابن

حزم فی اول کتابہ المحلی

هذا کذب علی ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

د شرح شفا ج ۲ ص ۵۵۱

امام رازی نے فرمایا۔ اس مذہب کو حضرت ابن مسعود سے نقل کرنا

غلط ہے اور باطل ہے۔ امام نووی نے فرمایا حضرت ابن مسعود سے فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں جو نقل کیا گیا ہے باطل و غیر صحیح ہے "اسے عبارتوں میں تین معانی کا احتمال ہے۔

(۱) وہ روایات جو آغاز بحث میں ذکر ہوئیں باطل و غیر صحیح ہیں

(۲) روایات مذکورہ باطل و غیر صحیح نہیں بلکہ وہ روایات باطل ہیں جن میں صراحۃً یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود قرآنیت معوذتین کے منکر تھے۔

(۳) صدر بحث میں ذکر شدہ روایات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابن مسعود سے

متعلق انکار قرآنیت کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے یہ نقل مذہب باطل و کاذب ہے

(الف) اگر پہلا معنی ہی ان عبارتوں کی مراد ہے یقیناً یہ قابل قبول نہیں جیسا

کہ علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ اس لئے کہ روایات صحیح ہیں انہیں باطل قرار دینے کے لئے

کوئی سند اور دلیل چاہیئے بلا دلیل روایات صحیحہ میں طعن کرنا کوئی علمی

طریقہ نہیں۔

(ب) اگر دوسرا معنی ان عبارتوں کا مقصود ہے تو یہ ضرور قابل قبول ہے مگر

کہیں ان روایات کا ذکر بھی کرنا چاہیئے کہ وہ روایات جن میں صراحۃً یہ ذکر ہے کہ حضرت

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے منکر تھے وہ یہ ہیں۔ اور یہی باطل

و کاذب ہیں۔

(ج) اگر تیسرا معنی مراد ہے تو یہ بالکل بے غبار ہے۔ اس لئے کہ اس تقدیر پر مذکورۃ

الصدر روایات میں ہرگز کوئی طعن نہیں۔ طعن صرف ان لوگوں پر ہے جو مذہب

انکار قرآنیت کے ناقل ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ طعن صرف اس نقل مذہب

پر ہے۔ ورنہ مذکورۃ الصدر روایات کو یہ حضرات "امام رازی و امام نووی"

بھی صحیح مان کر ان کا کوئی قابل قبول حل نکالتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ عبارات مذکورہ میں کون سا معنی رائج اور قوی ہے۔
اس پر تھوڑی بحث قول ثالث کے بعد ملاحظہ کیجئے۔

علامہ ابن حجر وغیرہ بیان کرتے ہیں۔

قول ثالث

وقد تأول القاضی البوبکر
المباقلانی فی کتاب
الانتصار وتبعه عیاض
وغیره ما حکى ابن
مسعود۔ فقال لم یسکر ابن
مسعود کونہما من القرآن
وانما انکرا اثباتہما فی
المصحف فانه کان یدری
ان لا یتب فی المصحف
شیئاً الا ان کان النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذن
فی کتابتہ فیہ وحکاتہ
لم یبلغہ الاذن فی ذلک
قال۔ فہذا تاویل منہ و
لیس جحد الکونہما قرأنا۔

حضرت ابن مسعود سے نقل شدہ
روایت کی قاضی البوبکر باقلانی نے کتاب
الانتصار میں تاویل کی ہے۔ اور قاضی
عیاض وغیرہ (جلیل القدر علماء) نے
بھی ان کا اتباع کیا ہے۔ وہ فرماتے
ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین
کے جزو قرآن ہونے کا انکار نہ کیا بلکہ
انہیں مصحف کے اندر صرف کتابت
معوذتین سے انکار تھا۔ اس لئے کہ
وہ یہ رائے رکھتے تھے کہ مصحف میں
بس وہی چیز لکھی جائے جسے مصحف میں
لکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے اجازت دی ہے۔ گویا انہیں
اس بارے میں حضور کی اجازت کا علم نہ
ہوا۔ پس اس معنی کے پیش نظر انہیں
قرآن میں معوذتین کے صرف لکھنے سے
انکار تھا۔ ان کی قرآنیت سے انکار

نہ تھا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ دھوتاویل حسن قاضی ابوبکر باقلانی کی تادیل عمدہ تادیل ہے۔ مزید لکھتے ہیں۔

الات الرواية الصحيحة
التي ذكرتها قد ذلك
حيث جاء فيها
ويقول انهما ليسا من
كتاب الله نعم
يمكن حمل لفظ كتاب
الله على المصحف فيتمشى التاديل المذكور
مگر وہ صحیح روایت اس تادیل
کے برخلاف ہے جو میں نے ذکر کی۔
کیونکہ اس میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابن
مسعود کہتے تھے کہ یہ دونوں (معوذتین)
کتاب اللہ سے نہیں۔ ہاں اگر
کتاب اللہ سے مصحف، مرلے لیا
جائے تو تادیل مذکور چل سکتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے نقل شدہ

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)
قول ثانی و ثالث ہیں تطبیق

انکار میں ظاہر ایہ دو قول ہو گئے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی
طرف نسبت انکار باطل و مردود ہے۔ اور دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب
روایات صحیحہ سے انکار ثابت ہے تو روایات صحیحہ میں طعن بیجا ہے۔ نسبت انکار
صحیح ہے مگر یہ انکار، انکار قرآنیت ہو گزرنہ تھا بلکہ انکار کتابت تھا۔

قول ثانی کے بعد راقم نے یہ لکھا کہ مذکورہ عبارات اللہ میں تین معانی کا احتمال
ہے، انہیں پیش نظر رکھ کر آپ دیکھیں کہ جب قول ثانی کا پہلا معنی لیا جائے تو بلاشبہ
یہ قول ثالث کے خلاف ہو گا۔ جس طرح کہ قول ثانی و ثالث دونوں ہی قول اول کے
معارض ہیں۔ لیکن اگر قول ثانی کا دوسرا یا تیسرا معنی لیا جائے تو یہ قول ثالث کے
معارض ہو گزرنہ ہو گا بلکہ دونوں ایک قول ہو جائیں گے کیونکہ اس معنی پر اصحاب

قول ثانی نے بھی روایات صحیحہ (مذکورۃ الصدور) کو صحیح تسلیم کیا۔ اور یقیناً انہیں بھی ان کی وہی تاویل کرنی ہوگی جو اصحاب قول ثالث نے کی۔ اور ابطال و تغلیط کا تعلق دوسری روایات باطلہ سے ہوگا یا ان لوگوں سے، جو یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو قرآنیت معوذتین سے انکار تھا۔ اس تطبیق کی روشنی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملی۔ وہ علامہ نووی کا قول ”انہ کذب علیہ“ (۱۱) ابن مسعود اور اس کا رد نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

قلت یحمل قول
النووی انہ کذب علیہ
علی انکاء اصل القرآنیۃ
فیکون مقبولاً لا مردوداً
وهو الظاهر۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف اصل قرآنیت کے انکار کی نسبت غلط اور ان پر دروغ ہے جب علامہ نووی کے قول کا یہ معنی ہو گیا، تو ان کا قول مقبول ہوگا، مردود

(مرقات ج ۱ ص ۵۳۳)

نہیں۔ اور یہی ظاہر ہے۔

یعنی حضرت ابن مسعود کی طرف انکار کتابت کی نسبت باطل، غلط نہیں بلکہ ان کی طرف انکار قرآنیت کا انتساب باطل و غلط اور ان پر دروغ ہے۔ اور یہی معنی علامہ نووی سے متوقع بھی ہے۔ ورنہ ایسے عظیم الشان عالم حدیث اور عارف اسانید سے یہ قطعاً بعید ہے کہ وہ روایات صحیحہ میں طعن کہیں، اور انہیں باطل و غلط ٹھہرائیں۔

جب ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے علامہ نووی کے ارشاد کا یہ مطلب بتایا ہے تو ابن حزم کی عبارت میں بھی یہ تاویل ہو سکتی ہے۔ اؤ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت سے تو اس کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ اس لئے کہ اخیر میں ان

کے الفاظ یہ ہیں۔

والا غلب علی الظن ان نقل
هذا المذهب عن ابن
مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کاذب
نزیادہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت
ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس
مذہب کی نقل "جھوٹی نقل ہے۔
امام رازی نے یہاں انکار کتابت کی نسبت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ
حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب انکار قرآنیت بتلنے کو بالکل غلط
اور جھوٹی نقل قرار دیا ہے۔

امام فخر الدین رازی کی ایک اور عبارت انکار کتابت کے اعتراف میں بالکل
صریح ہے۔ اُسے پیش نظر رکھیں تو قول ثانی و ثالث بلکہ خود امام رازی کی دونوں
عبارتوں میں تطبیق زیادہ ضروری ہے۔ اور واضح بھی۔ فرماتے ہیں۔

وايضاً قد نقل عن ابن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ حذف المعوذتين
وحذف الفاتحة عن القرآن۔ و
يجب علينا احسان الظن به وان
نقول انه رجع عن هذا
المذهب۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے منقول ہے کہ وہ قرآن (یعنی
مصحف) سے معوذتین اور سورۃ فاتحہ
حذف کر دیتے۔ ہم پر واجب ہے کہ
ہم ان کے بارے میں نیک گمان رکھیں
اھیہ کہیں کہ انہوں نے اس مذہب
سے رجوع کر لیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۳)

حاصل یہ کہ قرآنیت معوذتین کے منکر تو کبھی نہ تھے۔ مصحف میں لکھنے سے ابتداً
انہیں انکار تھا لیکن جب مصحف عثمانی میں یہ سورتیں لکھی گئیں اور اس پر اجماع
صحابہ قائم ہوا تو وہ مصحف میں لکھنے کے بھی قائل ہو گئے اور اپنے پہلے مذہب
(انکار کتابت) سے رجوع کر لیا۔

جب قول ثانی کے تحت ذکر شدہ علامہ نووی و امام رانسی وغیرہما کی عبارتوں میں ایک مناسب معنی کا احتمال قوی موجود ہے اور قرائن و شواہد بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان عبارتوں کا خلافتِ قرآنی ایسا معنی لیا جائے جس پر یہ التزام عائد ہو کہ ان حضرات نے روایات صحیحہ میں طعن کیا۔ اور ان عبارتوں کی بنیاد پر قول اول و ثالث کے علاوہ ایک اور قول نکالا جائے۔ مذکورہ معقول توجیہ کو کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ جس سے مؤخر الذکر دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو جائے۔ اور اعتراضات بھی اٹھ جائیں۔ نہ حضرت ابن مسعود پر کسی سورہ کی قرآنیت سے انکار کا التزام عائد ہو۔ اور نہ ان علماء پر اسلئے صحیحہ میں طعن اور روایات صحیحہ کے انکار کا اعتراض ہو۔

علامہ محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ کی ایک عبارت سے بھی اس تطبیق کی تائید ہوتی ہے۔ مُسَلَّمُ الْبُثُوتِ میں فرماتے ہیں۔

وما نقل عن ابن مسعود	حضرت ابن مسعود رضی اللہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ من انکار	نقلیٰ عنہ سے موزتین اور فاتحہ کا جو
الموزتین والفاتحۃ فلم یصح	انکار متقول ہے وہ صحیح نہیں البتہ
وانما صححوا المصحف	ان کے مصحف کا ان سورتوں سے
عنہما۔	خالی ہونا صحیح ہے۔

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ یہاں دو قسم کی نقلیں ہیں۔ ایک وہ جس میں انکار قرآنیت ذکر ہے وہ غلط ہے اور ایک وہ جس میں عدم کتابت کا ذکر ہے وہ صحیح ہے۔

بحر العلوم مولانا عبد العلیٰ قزنگی محلی لکھنوی۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں۔

ومن اسند الانكار الى ابن مسعود رضي الله تعالى عنه فلا يعابسته عند معارضة هذه الاسانيد الصحيحة بالاجماع والمتقات بالقبول عند العلماء الكرام بل والامة كلها كافة فظهر ان نسبة الانكار الى ابن مسعود رضي الله تعالى عنه باطل (ج ۱ ص ۳۱۵)

جس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار کی نسبت کی، اس کی سند کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ ان سندوں کے معارض ہے جو بالاجماع صحیح ہیں، اور علماء کرام بلکہ تمام امت کے نزدیک مقبول بھی۔ تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت انکار باطل ہے۔

ان تفصیلات سے روشن ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے منکر نہ تھے۔ صرف کتاب سے انہیں انکار تھا۔ پھر عہد عثمانی میں مصحف بہ اجماع صحابہ قائم ہونے کے بعد انہوں نے اس سے بھی رجوع کر لیا۔

قول اول پر تنقید | حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیت معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے، یہ قول تفصیلاً

گزر چکا ہے وہاں ہم محل نشتر قرار دیا۔ اب ہاں پوری وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ یہ قول سرے سے صحیح نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء معوذتین مصحف میں نہ لکھیں یہ تسلیم ہے، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ انہیں معوذتین کی قرآنیت سے انکار رہا ہو۔ اس دعوے پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

۱۱ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر سال ماہ رمضان میں مسجد نبوی کے اندر باقتدار امام نماز تراویح ادا کرتے، امام نماز تراویح میں معوذتین کی قرأت کرتے مگر جب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کبھی انکار نہیں

کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نسبت انکار غلط ہے۔

(فوائد الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۲۱۲۔ از بحر العلوم علامہ عبد العلیٰ فرنگی
علیٰ مطبوعہ نو لکھنؤ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ جنوری ۱۸۷۸ء)

(۱۲) امام عاصم کی قرأت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتواتر
منقول ہے اس میں معوذتین اور سورۃ فاتحہ شامل ہیں جس سے قطعی طور
پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ و قول
یہی تھا کہ معوذتین قرآن ہیں۔

حضرت امام عاصم کی سند یہ ہے۔ عاصم۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن حبیب
سلمیٰ و ابو مریم زہر بن حبیش اسدی و سعید بن عیاش شیبانی عبد اللہ بن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۳) (الف) امام حمزہ (امام عاصم کی طرح یہ بھی قرار سبب سے ہیں) کا سلسلہ
سند بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اس میں بھی معوذتین
اور سورۃ فاتحہ ہیں۔ ان کی سند یہ ہے۔

حضرت حمزہ۔ اعمش۔ ابو محمد سلیمان بن مہران۔ یحییٰ بن وثاب علقمہ و
اسود و عبید بن نضله خزاعی۔ و زہر بن حبیش و ابو عبد الرحمن سلمیٰ۔ ابن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ب) امام حمزہ کی ایک دوسری سند یہ ہے۔

حضرت حمزہ۔ ابو اسحق سبیعی و محمد عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ و امام جعفر صادق۔ ابن
قیس و زہر بن حبیش و زید بن وہب و مسروق۔ منہال و دیگر حضرات۔ ابن
مسعود و امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۴) امام کسائی کی سند بھی حضرت ابن مسعود تک پہنچتی ہے اس لئے

کہ امام کسائی نے امام حمزہ سے قرأت حاصل کی ہے۔ یوں ہی امام خلف (جو قرآن عشرہ سے ہیں) کی سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے سلیم بن سلیم نے امام حمزہ سے قرأت حاصل کی ہے۔
 قرآن عشرہ کی سندیں اجماعی اور امت کے درمیان قبول یافتہ ہیں لہذا جب صحیح سندوں سے ثابت ہو گیا کہ امام عاصم، امام حمزہ، امام کسائی، امام خلف سب کی سندیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہیں، اور ان سب قرأتوں میں فاتحہ اور مؤذنتین جز قرآن ہیں۔ تو بلاشبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار قرآنیت کا انتساب غلط اور باطل ہے۔

اس تفصیل سے ایک عقدہ یہ بھی حل ہو گیا کہ جس ترتیب پر آج قرأت قرآن ہو رہی ہے۔ یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ قرآن عشرہ نے (جن کی سندیں صحیح تر اور اجماعی ہیں) اپنی قرأتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں اور اس ترتیب پر قرأت فرمائی ہے۔ اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان کے شیوخ نے انہیں اسی طرح پڑھایا۔ اور شیوخ کے شیوخ نے شیوخ کو اسی طرح پڑھایا۔ یوں ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف قرأت شاذہ مثلاً متساہات، کانتساب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے بطور قرآن نقل نہ کیا۔ اگر وہ قرآن ہوتی تو ان قرأتوں میں (جن کا سلسلہ اسناد حضرت ابن مسعود پر ختم ہوتا ہے) اس کی قرأت ہوتی۔ حضرت ابن مسعود نے اپنے مصحف میں متابعات بطور تفسیر لکھا۔ اور راوی کو وہم ہوا کہ یہ ان

کے نزدیک قرآن ہے۔ یا پہلے قرآن تھا۔ پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

(فوائد الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۳۱۲ و ۳۱۵ ج ۲)

(۵) طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے روایت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لقد انزل علی ایات لم یزل

علی مثلہن، المعوذتین۔

مجھ پر چند ایسی آیات نازل

ہوئیں جیسی مجھ پر نازل نہ ہوئیں

(در منشور)

وہ معوذتین ہیں۔

اس حدیث میں بھی معوذتین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

آیات کہا۔ آیت کا اطلاق قرآن ہی کے لئے ہوتا ہے۔ دعاؤں کے لئے نہیں۔

لہذا جس طرح دیگر صحابہ کی روایات سے معوذتین کی قرآنیت کا ثبوت ملتا ہے حضرت

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی معوذتین کا

قرآن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ اصول مسلمہ ہے کہ صحابی کا اپنی روایت

کردہ حدیث پر اعتقاد ضروری ہے بشرطیکہ سرکار سے اس کا کوئی تاسخ اس

کے نزدیک ثابت نہ ہو۔ اس اصول کے تحت مانتا ہوگا کہ حضرت ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے قائل ضرور تھے۔

البتہ یہاں یہ سوال ہوگا کہ ان صحیح

روایات کا کیا جواب ہے۔ جن سے

روایات انکار کی تنقیح

قول اول والوں نے انکار قرآنیت کا اسناد لال کیا ہے اس کے جواب میں

ہم دو طریق اختیار کر سکتے ہیں۔

(۱) یہ کہ ان قراءات صحیحہ متواترہ کو ہم اصل قرار دیتے ہوئے دیگر روایات

کو ان ہی پر محمول کریں اور تطبیق دیں۔

(۲) اگر تطبیق نہ ہو سکے تو روایات انکار میں اتقطاع باطنی مانیں اس لئے کہ یہ فن اصول میں ثابت ہے کہ جب ثقہ راویوں کی روایات حدیث مشہورہ کے خلاف ہوں تو حدیث مشہورہ کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے خلاف روایات غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔ (نور الانوار وغیرہ)

اس زمانے کے بعض نام نہاد محققین نے یہاں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ روایات انکار کے تمام راویوں پر جرحیں لکھ ماری ہیں۔ یہاں تک کہ جلیل القدر تابعی سلیمان بن مہران الاعمش کو شیعہ قرار دیا ہے۔ کتب رجال میں ”فیہ تشیع“ دیکھا اور انہیں شیعہ لکھ دیا۔ جبکہ اس زمانے میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں اور ”سلف میں جو تمام خلفاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا شیعہ کہا جاتا۔ بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعہ کہتے۔ حالانکہ یہ مسلک بعض علماء اہلسنت کا تھا اسی بنا پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۱۹)

یہ ایک عام طریقہ ہے کہ جو حدیث اپنے مطلب کے خلاف نظر آئی اس کا کوئی قابل قبول حل نکالنے کے بجائے میزان، تہذیب، تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کھول کر اس حدیث کے رواۃ پر جتنی جرحیں ملیں سب نقل کر کے ثقہ رواۃ کو غیر ثقہ بنا دیا۔ اور قطعاً یہ لحاظ نہ کیا کہ ان رواۃ کے محاسن روایت کیا ہیں اور ان کی تصنیف و توثیق میں قوت فیصل کیا ہے؟۔ نہ ہی یہ خیال فرمایا کہ ان رواۃ کو ضعیف اور ساقط الاعتبار کہہ دینے سے ان کی بے شمار وہ حدیثیں

بھی ضعیف ہو جائیں گی جنہیں اپنے مفید مطلب مقامات میں زندگی بھر خود ہی صحیح مانتے رہے ہیں

طریقہ اول بہر حال مسئلہ زیر بحث میں راہ تطبیق اختیار کرتے کے لئے قسم اول کی جملہ روایات پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کا حل

ملاحظہ کیجئے

(۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹا دیتے تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی سے اس کی تاویل گذر چکی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے قابل تھے۔ لیکن مصحف سے انہیں محو کر دیتے تھے اس لئے کہ مصحف میں ثبت کرنے کے بارے میں سرکار سے کوئی حکم ان کے پاس نہ تھا اور ان کی رائے یہ تھی کہ مصحف میں وہی لکھا جائے جس کے لکھنے کا سرکار سے حکم مل چکا ہو۔

(۲) قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو "قرآن" سے نہیں۔

(۳) معوذتین کتاب اللہ سے نہیں۔ دونوں جگہ اگر قرآن اور کتاب اللہ سے مصحف مراد لے لیا جائے تو ان روایتوں کا بھی وہی مفہوم ہو جائے گا جو مذکورہ بالا روایت کا ہے۔ جب روایات صحیحہ و قراءات متواترہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعتقاد قرآنیت ثابت ہے اور ان روایات میں ایک صحیح معنی کی گنجائش ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان روایات میں قرآن بمعنی کلام اللہ لے کر انہیں ساقط الاعتبار ہی قرار دیا جائے۔ حالانکہ مصحف پر قرآن اور کتاب اللہ کا اطلاق عام طور پر ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے۔

(۴) انما امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یتعوذ بہما۔ اس روایت کا جس طرح یہ معنی لیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین سے "صرف تعوذ" کا حکم دیا یعنی ان کی قراءت کا حکم نہ دیا، اسی طرح یہ معنی بھی لیا جاسکتا

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "صرف معوذتین" سے تعوذ کا حکم دیا دوسری چیزوں سے نہیں۔ یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ واضح اور اس بحث میں خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایات صریحہ کے مطابق ہے۔ ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکرہ عشر خصال نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس باتیں ناپسند کرتے۔ ان دس باتوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے۔ والرقی الا بالمعوذات غیر معوذات سے جھاڑ پھونک (ناپسند کرتے) یہی ہستی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرہ الرقی الا بالمعوذات	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جھاڑ پھونک ناپسند فرماتے مگر معوذات سے۔
--	---

یہ حدیثیں اس معنی میں واضح اور بالکل صریح و مفسر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر معوذات (غالباً جمع اس لئے ہے کہ اس میں تغلیباً قل هو اللہ احد بھی شامل ہے۔ جیسا کہ بعض حدیثوں میں وقت تعوذ معوذتین کے ساتھ اسے بھی شامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے) سے جھاڑ پھونک ناپسند کرتے۔ لہذا ان حدیثوں کی روشنی میں حدیث بالا کا بھی یہی معنی لیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف معوذتین سے تعوذ کا حکم دیا اس کا معنی یہ نہیں کہ معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا قراءت کا نہیں۔

(۵) کان ابن مسعود لا یقرأ بمعا۔ اگر اس کا یہ معنی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کو مطلق پڑھتے ہی نہ تھے تو یہ قرین قیاس بھی نہیں اور قرأت صحیحہ کے خلاف بھی لہذا کان لا یقرأ بمعنا کا یہ معنی لیا جائے گا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں معوذتین کی قراءت نہ کرے۔ مگر ہم یہ کہیں گے کہ ایک

راوی کے صرف اتنے بیان سے یہ نتیجہ لینا آسان نہیں کہ وہ معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تھے راوی کا بیان صرف راوی کے علم کی حد تک ہے انہوں نے حضرت ابن مسعود سے نماز میں معوذتین کی قراءت نہ سنی۔ تو اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ جن جہری نمازوں میں یہ راوی ان کے ساتھ تھے ان میں حضرت ابن مسعود سے معوذتین کی قراءت نہ سنی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں پڑھتے رہے ہوں یا بہت سی ان جہری نمازوں میں بھی پڑھا ہو جن میں یہ راوی ان کے ساتھ نہ تھے اور اگر یہ ہی تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود نے زندگی بھر نماز میں معوذتین کی قراءت نہ کی تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کی قراءت کے قائل نہ تھے کسی نے زندگی بھر نماز میں کوئی سورہ زیادہ ہوتے ہوئے بھی نہ پڑھی تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے۔ کہ اس نے اس سورہ کو قرآن ہی نہ مانا بھلا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معوذتین کی قراءت سے انکار کیونکر ہو گا جبکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کر رہے ہیں کہ

لقد انزل علیّ آیات لم
 یُنزل علیّ مثلہن المعوذ
 تین۔

نچھ پر ایسی آیات نازل ہوئیں جیسی
 پہلی نازل نہ ہوئیں وہ معوذتین
 ہیں۔

سرکار پر نازل ہونے والی چیز ”وحی“ اور کلام الہی ہے اور کلام الہی اگرچہ سب یکساں ہے۔ مگر بعض میں امت کے لئے فضیلت و ثواب زیادہ ہے اسی لحاظ سے حضور معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں بے مثال بتا رہے ہیں جس سے قرآن کی بہت سی ان سورتوں اور آیتوں پر معوذتین کی افضلیت ثابت ہوتی ہے جنہیں سرکار نے کہیں صراحۃً معوذتین سے افضل نہیں بتایا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ سرکار غیر قرآن کو قرآن سے افضل بتا دیں ۹۹۔ غیر قرآن اگرچہ

کلام الہی غیر متلو ہی ہو، یاد گیر کتب سماویہ ہوں۔ بہر حال قرآن کا سب سے افضل ہونا صراحتہً ثابت ہے، اس لئے ہرگز یہ متوقع نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار سے سن کر معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں افضل و بے مثال تو مانیں مگر انہیں غیر قرآن کہہ کر اپنے سر پر الزام لیں کہ ابن مسعود غیر قرآن کو قرآن سے افضل ملتے ہیں۔

اور یہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ آیات کا اطلاق قرآن ہی کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کو آیات اور سورتیں مان کر بھی قرآن نہ مانیں۔

اور سب سے قوی دلیل وہ قراءات متواترہ ہیں جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ اور ان میں معوذتین موجود ہیں۔ لہذا ان سب کے ہوتے ہوئے چند غیر صریح روایات سے انکار قرآنیت کا استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

طریقہ دوم | حتی الوسع ہم نے روایات انکار کے صحیح معانی بتاتے ہوئے تطبیق دکھائی۔ کیونکہ متعارض روایات واقوال میں پہلا درجہ تطبیق ہی کا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی تطبیق سے متفق نہ ہو تو لامحالہ اسے تسلیم کرنا ہو گا کہ جن روایات سے بظاہر انکار قرآنیت کا معنی نکلتا ہے وہ قراءات صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں مرجوح ہوں گی۔ اگرچہ ان کے رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں۔ مگر جب ایسی کوئی حدیث دوسری حدیث مشہور کے معارض ہو تو حدیث مشہور کو ترجیح ہوتی ہے اور دوسری روایت میں انقطاع باطنی مانا جاتا ہے کہ راوی کو فہم معنی میں کوئی وہم عارض ہوا۔ ان کلمات پر ہم بحث معوذتین ختم کرتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہوا کہ (۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبل اجماع صحابہ کتابت معوذتین سے انکار تھا بعد اجماع وہ کتابت کے بھی قائل ہو گئے۔
(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی زمانے میں قرآنیت معوذتین کے منکر نہ تھے۔

دُعائے خلع و دعائے خفہ

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں سورۃ الناس کے بعد یہ دو دعائیں تھیں۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْئِلُكَ عَلَیْكَ الْخَیْرَ، وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مِنْ یَفْجُرُكَ۔

(۲) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَالیكَ لِنَسْعٰی وَنَحْفِدُ، اِنْ خَشِیْ عَذَابُكَ وَنَرْجُو رَحْمَتَكَ اِنْ عَذَابُكَ بِالْكَفٰرِ مَلْحُوْثٌ۔

تمام روایات میں ان دعاؤں کے الفاظ یکساں اور برابر نہیں۔ کمی پیشی اور تقدیم و تاخیر بھی ہے۔

بعض راویوں نے ان دعاؤں کو دو سورتوں سے تعبیر کیا۔ جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دونوں دعائیں جزو قرآن ہیں۔ مگر بلاشبہ یہ دعائیں جزو قرآن نہیں۔ نہ ہی اس پر کسی دلیل کی حاجت۔ مگر جب جاہل یا متجاہل اعداء اسلام نے انہیں پیش کر کے قرآن مقدس پر نقص و کمی کا الزام عائد کیا ہے۔ تو اس پر بھی

تھوڑی گفتگو ضروری ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان دعوؤں کا سورہ یا جزہ قرآن ہونا کسی روایت میں ثابت نہیں۔ درمنثور میں اس سے متعلق پندرہ سے زائد صحیح، حسن، ضعیف، قریباً تمام روایات پیش کر دی ہیں مگر کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جزر قرآن بتایا ہو یا سورہ کے لقب سے یاد فرمایا ہو۔ بیہقی کی حضرت خالد بن عمران سے روایت کردہ صرف ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت جبریل سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (کچھ کلمات کے بعد ہے) ثم علیہ ہذا القنوت "پھر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ قنوت سکھایا۔ اللهم انا نستعينك الخ۔

اولاً یہ روایت ہمارے خلاف نہیں اس میں بھی صراحت ہے کہ علمہ ہذا القنوت۔ حضرت جبریل نے سرکار کو یہ "قنوت" سکھایا علمہ ہذا السورۃ یا ہاتین السورتین (یہ سورہ یا یہ دونوں سورتیں سکھائیں) نہیں ہے جس سے خود ہی واضح ہے کہ یہ دعائے قنوت تو ہے سورہ قرآن نہیں۔ ثانیاً۔ ایسا ہرگز نہیں کہ حضرت جبریل نے جو کچھ بتایا ہو سب جزر قرآن ہی ہو حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ ایسی کتنی روایات ہیں جن میں حضرت جبریل کے

بعض باتیں بتانے اور سکھانے کا ذکر ہے مگر وہ جزر قرآن نہیں۔ قرآن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بطور قرآن نازل ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن بتا کر تعلیم و تبلیغ فرمایا ہو۔ الغرض ان کلمات کا دعائے قنوت ہونا تو مسلم ہے مگر ان کی قرآنیت کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۲) خود حضرت ابی بن کعب سے ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں انہوں نے اس دعائے قنوت کو صراحۃً قرآن بتایا ہو۔

(۳) عہد صدیقی کی تدوین میں اعلان عام تھا کہ جس کے پاس جو کچھ قرآن ہو

لے آئے۔ مگر حضرت ابی بن کعب کا ان سورتوں کو بطور قرآن پیش کرنا کہیں ثابت نہیں۔

(۴) تدوین ثالث میں بھی اس کا موقع تھا مگر حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو قرآن بتا کر پیش کرنا کسی روایت میں مذکور نہیں۔ جبکہ اس تدوین میں حضرت ابی بن کعب بنفس نفیس شامل تھے۔ اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت زید کو املا کراتے والے ہی تھے۔

(۵) بالفرض اگر کسی صحیح روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو جزء قرآن بتانا مل جائے تو بھی خبر واحد سے قرآنیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس کیلئے تو تواتر ضروری ہے۔

(۶) مصحف عثمانی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورہ اخیرہ کے مطابق تدوین ہوا اس پر صحابہ کرام نے اجماع و اتفاق کیا اس میں جو درج تھا اسے قرآن غیر منسوخ ثابت و مستقر تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ کو بالاجماع غیر قرآن یا قرآن منسوخ قرار دیا۔ ان اہل اجماع میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہیں۔ لہذا جب مصحف عثمانی میں یہ دعائیں نہ لکھی گئیں اور سورۃ الناس پر قرآن ختم کر دیا گیا تو بالاجماع ان کا قرآن نہ ہونا ثابت و متعین ہو گیا اور ان کے عدم قرآنیت میں کسی شک و شبہ کی بھی گنجائش باقی نہ رہی۔

حضرت ابی بن کعب نے
مصحف میں یہ دعائیں

ان دعاؤں کے لکھنے کا سبب

محض یادداشت کے طور پر لکھیں۔ رہا یہ کہ انہوں نے ان دعاؤں کی یادداشت کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ :-

(۱) یہ آسمان سے نازل ہوئیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے

خدمت اقدس سرکار دو عالم میں انہیں پیش کیا۔

(۲) یہ اندرون نماز اس مقام میں پڑھی جاتی ہیں جہاں بجز قرآن یا کسی دعائے قنوت اور تسمیہ و درود کے اور کسی چیز کا موقع نہیں یعنی وتر کے تیسری رکعت کے قیام میں بعد قرائت انہیں پڑھا جاتا ہے۔ اگرچہ اللہ اکبر کہہ کر انہیں قرائت سے جدا کر لیا جاتا ہے پھر بھی قرائت قرآن سے ان کا قرب و اتصال اور مشابہت مقام واضح ہے۔

(۳) دعائے قنوت واجب ہے اس ادا کے واجب کے لئے یقیناً افضل وہی جو سرکار سے ثابت اور آسمان سے نازل ہو۔ اس کے پیش نظر روزانہ نماز وتر میں ان کی حاجت ہے۔ لہذا ان کی حفاظت و یادداشت بھی اہم۔ ان امور کی بنا پر حضرت ابی بن کعب نے بطور یادداشت انہیں مصحف میں ثبت کر لیا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ انہوں نے وہ مصحف صرف اپنی یادداشت ہی کے لئے تو لکھا تھا۔ ہرگز ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ اسے تمامہ بلاد اسلام میں رائج کرنا ہے نہ ہی یہ گمان کہ لوگ اسے رائج کریں گے لہذا جب اسے اپنی ذات تک محدود رکھنا تھا تو اگر بطور یادداشت وہ دو اہم دعائیں بھی انہوں نے لکھ لیں تو ان پر کیا اعتراض؟ انہوں نے تو یہی خیال رکھا کہ یہ غیر قرآن ہیں۔ مگر بطور یادداشت میں نے لکھ لیا ہے۔

اگر وہ ان دعاؤں کو قرآن بتاتے اپنے تلامذہ کو قرآن کہہ کر پڑھاتے تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ انہیں ان دعاؤں سے قرآنیت کا گمان تھا مگر ان سے مروی قرارات متواترہ بلاشبہ ان دعاؤں سے خالی ہیں جس سے یقینی طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انہیں ایسا کوئی گمان بھی نہ تھا۔

حاصل کلام یہ کہ ان دعاؤں کا قرآن نہ ہونا صرف یہی نہیں کہ جملہ صحابہ

و تابعین اور امت اسلامیہ کے نزدیک قطعی و یقینی ہے بلکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی ان کی عدم قرآنیت ہی متعین اور متیقن ہے۔

اختلاف قرائت

اختلاف قرائت کیا چیز ہے؟ کیا اختلاف قرائت سے قرآن کے معانی میں اتنی تبدیلی ہو جاتی ہے کہ حلال و حرام کا فرق ہو جائے۔ ایک قرائت سے کسی چیز کا جواز ہو اور دوسری سے اس کا عدم جواز نکلتا ہو؟ یہ اختلاف کب سے اور کیونکر پیدا ہوا؟ اگر قرائت کون تھے؟ قرائت سب سے دس عشرہ کے کہتے ہیں؟

یہ اس موضوع کے بنیادی سوالات ہیں جنہیں اگلی سطور میں بیان کرنا مقصود ہے۔

(۱) اختلاف قرائت کا ایک نقشہ ہم اگلے صفحات میں پیش کریں گے۔ جس سے واضح ہو گا کہ یہ معمولی اختلافات ہیں۔ صرف بعض کلمات یا حروف یا حرکات، یا طریق ادا کا فرق ہے۔ اور معانی میں ہرگز ایسی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی جائز و ناجائز یا حرام و حلال ہو جائے۔

(۲) صفحات گزشتہ میں تفصیلاً اس کا ذکر آچکا ہے کہ عرب کے فصیح قبائل کی زبانوں اور طریق ادا میں فرق تھا۔ جس کے پیش نظر قرآن سات لہجوں میں

نازل ہوا۔ خلافت عثمانی میں اولین زبان نزول، زبان قریش کے اور قرآن کے دورہ اخیر کے موافق مصحف شریف کی تدوین ہوئی۔ مگر بعض فرق کلمات و حروف و حرکات و ادا جو عرصہ اخیرہ میں باقی رہے اور جن کی روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت تھی وہ علیٰ حالہ قائم رکھے گئے۔ یہی مختلف قراءات ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی کثیر جماعت نے سیکھا اور صحابہ سے تابعین نے حاصل کیا اور تابعین سے تبع تابعین نے لیا۔ اسی طرح ہر زمانے اور ہر دور میں یہ قراءات کتابت و ادا کی نقل متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچیں۔

اس لئے تمامی متواتر قراءتیں حق و صحیح واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں ان کا منکر کافر ہے۔

یہ قراءتیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
(۴) **ائمہ قراءت** | تواتر کے ساتھ منقول ہوئیں مگر ہر زمانے میں

کچھ بزرگوں کو ان میں امامت کا درجہ حاصل رہا اور وہ اس فن سے اپنے غیر معمولی شغف اور اس میں اختصاص کی بناء پر زیادہ مشہور ہوئے۔

زمانہ مابعد میں بعض حضرات نے کسی خاص قراءت کی تعلیم و اشاعت سے شغف اختیار کیا اور ان سے خاص ایک ایک قراءت بتواتر روایت کی گئی جس کے سبب وہ قراءت ان ہی کی طرف منسوب ہوئی اور خاص ان کی قراءت کہلائی۔ ورنہ ہر قراءت کا مصدر و مرجع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات حقیقت مآب ہے۔

صحابہ کرام میں قراءت اور تعلیم قراءت میں سات اکابر زیادہ
صحابہ | مشہور ہوئے۔ (۱) حضرت عثمان (۲) حضرت علی (۳) حضرت

ابی بن کعب (۴) حضرت زید بن ثابت (۵) حضرت عبداللہ بن مسعود (۶)
حضرت ابوالدرداء (۷) حضرت ابو موسیٰ اشعری -

حضرت ابی بن کعب سے خود صحابہ کی ایک جماعت نے فن قراءت حاصل
کیا جن میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن
سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس نے حضرت زید سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔

صحابہ کرام سے تابعین کی ایک عظیم جماعت نے قرات سیکھی
جن کی مختصر فہرست یہ ہے۔

تابعین

(۱) عبداللہ بن مسیب (۲) عروہ (۳) سالم (۴) عمر بن عبدالعزیز

(۵) سلیمان بن یسار (۶) عطاء بن یسار (۷) معاذ بن حارث

مدینہ میں

معروف بہ قاضی قاری (۸) عبدالرحمن بن ہرمل الاعرج (۹) ابن شہاب زہری
(۱۰) مسلم بن ہندب (۱۱) زید بن اسلم۔

(۱) عبید بن عمیر (۲) عطاء بن ابی رباح (۳) طاؤس (۴) مجاہد

(۵) عکرمہ (۶) ابن ابی ملیکہ۔

مکہ میں

(۱) علقمہ (۲) اسود (۳) مسروق (۴) عبیدہ (۵) عمرو بن

شرجیل (۶) حارث بن قیس (۷) ربیع بن خثیم (۸) عمرو

کوفہ میں

بن میمون (۹) ابو عبدالرحمن سلمیٰ (۱۰) زہر بن حبیش (۱۱) عبید بن نفعد (۱۲)
سعید بن جبیر (۱۳) نخعی (۱۴) شعبی۔

(۱) ابو عالیہ (۲) ابورباح (۳) نصر بن عاصم (۴) یحییٰ بن عمر

(۵) حسن (۶) ابن سیرین (۷) قتادہ۔

بصرہ میں

(۱) میفرہ بن شہاب مخزومی شاگرد حضرت عثمان (۲) خلیفہ
 بن سعد تلمیذ حضرت ابوذر و رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شام میں

یہ وہ حضرات تھے جو قرارت میں اور لوگوں کی نسبت زیادہ نمایاں اور
 ممتاز شہرت کے حامل تھے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے قرارت کو اپنے خاص فن
 کی حیثیت سے اختیار کیا اور اس پر زیادہ توجہ صرف کی جس کے باعث لوگوں
 نے ان کو اپنا مرجع و مقصد بنا لیا۔

ان حضرات میں سے مدینہ میں ابو جعفر یزید بن قعقاع پھر شیبہ بن
 نضاع پھر نافع بن نعیم ————— مکہ میں عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج
 محمد بن ابی محسن ————— کوفہ میں یحییٰ بن وثاب، عاصم بن ابی النجود، اور
 سلیمان اعمش پھر حمزہ پھر کسائی ————— بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحق
 عیسیٰ بن عمر۔ ابو عمرو بن العلاء۔ عاصم محمد ری پھر یعقوب حضرمی ————— شام
 میں عبداللہ بن عامر عطیہ بن قیس کلابی، اسماعیل بن عبد اللہ بن ہاجم۔ پھر
 یحییٰ بن عمارت ذمار، پھر شریح بن یزید حضرمی زیادہ مشہور ہوئے۔

اور ان میں سے ائمہ سب کو عالمگیر شہرت اور
 عظیم درجہ امامت حاصل ہوا۔ آج انہیں کی

قرارات مبنیہ

قرارتیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کے دور میں خود ان سے بے شمار حضرات
 نے فن قرارت کی تحصیل کی۔ مگر ان کے تلامذہ میں سے بھی چند ہی حضرات شہرت
 دوام و عام سے سرفراز ہوئے۔

ان ساتوں اماموں کی قرارتیں متواتر ہیں اور ہر قاری کی طرف ایک
 قرأت منسوب ہے۔ ان قاریوں میں سے ہر ایک کے دو خاص راوی ہیں۔ جن
 سے ان کی قرارتیں مروی ہیں۔

پھر ان رواد کا بھی ایک سلسلہ تعلیم ہے۔ جس طرح اس وقت احادیث کا سلسلہ اسناد و فاضل حدیث سے معنفین کتب حدیث پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہوتا ہے۔ اسی طرح قرارت کا سلسلہ اسناد بھی فاضل قرارت سے لے کر کسی امام قرارت یا ائمہ سبقت تک اور پھر ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہوتا ہے۔

ان ائمہ قرارت اور ان کے رواد کے مختصر حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

۱	قاری	راوی	۲	قاری	راوی
۱	نافع مدنی	قالون	۵	عامر کوفی	شعبہ
۲	ابن کثیر کی	بزی	۶	حمزہ کوفی	خاف
۳	ابو عمرو بصری	دوری	۷	کسانی	ابو الحارث
۴	ابن عارشی	ہشام			

ساتوں قاریوں سے راوی تو بے شمار ہیں مگر ہر قاری کے دو دو راوی زیادہ مشہور ہیں جن سے آج کل بھی روایت قرارت جاری ہے اس لئے انھیں حضرات کے تذکرے پر اکتفا کی گئی ہے۔

ان ساتوں قاریوں کے ساتھ تین قرار ابو جعفر (یزید بن القطاع) یعقوب اور خلف کی قرائتیں

قرارت عشرہ اور یہ حضرات قرار عشرہ کہلاتے ہیں۔ ان ائمہ کی قرائتیں بھی متواتر ہیں۔

نافع نام۔ ابو رویم کنیت۔ ولادت ۱۷۹ھ

وفات ۱۷۹ھ

(۱) نافع مدنی

مدینہ طیبہ میں ستر تابعین سے تحصیل قرارت کی۔ خود بھی تابعی تھے۔ کلام

کرتے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی۔ پوچھا گیا۔ آپ خوشبو لگا کر پڑھاتے ہیں۔؟ فرمایا۔ نہیں میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں قرارت فرما رہے ہیں۔ جب ہی سے یہ خوشبو آتی ہے۔

مدینہ منورہ میں بلا اختلاف امام قرارت مانے جاتے تھے۔ مدینہ ہی میں قیام لیا۔ اور وہیں جنتہ البقیع میں مدفون ہیں۔ تقریباً سو سال عمر پائی۔
تلامذہ کی تعداد بہت ہے۔ جن میں اسماعیل بن جعفر انصاری۔ اصمعی اور امام مالک جیسی عظیم شخصیتیں بھی ہیں۔ تمام علماء اس کی توثیق کرتے ہیں کہ امام نافع ستر برس سے زیادہ مسند درس پر فائز رہے۔ آپ کے راویوں میں قالون اور ورش زیادہ مشہور ہیں۔

عینی بن مینا نام۔ ابو موسیٰ کنیت۔ قالون لقب، جس سے شہرت ہوئی۔ ولادت ۱۲۷ھ مدینہ منورہ۔ وفات ۱۷۳ھ مدینہ منورہ۔

قالون

قالون۔ رومی لفظ ہے جس کے معنی ”جیدہ“ (عمدہ) ہیں۔ امام نافع ہی نے انہیں یہ لقب عطا کیا تھا۔ کان کے بہرے تھے۔ لیکن یہ انعام خداوندی تھا کہ قرآن کریم سننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ۱۷۳ھ تک امام نافع سے پڑھتے رہے۔

خود فرماتے ہیں کہ میں جب امام نافع سے ان کی قرارت ان گنت مرتبہ پڑھ چکا تو امام نافع نے فرمایا۔ تم مجھ سے کب تک پڑھتے رہو گے، اب درس دینا شروع کرو۔

پھر آپ نے ستر سال درس دیا۔ پورے سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

ورش

عثمان بن سعید نام۔ ابو سعید کینت۔ ورش لقب ہے اور یہ بھی لقب ہی سے مشہور ہیں۔ ولادت ۱۱۵ھ مصر۔ وفات ۱۹۷ھ مصر۔ عمر ۸۰ سال۔

مصر سے مدینہ منورہ آکر ایام نافع سے قرارت کی تعلیم حاصل کی۔ انتہائی خوش آواز تھے۔ اسی وجہ سے امام نافع نے انہیں ”ورشان“ لقب عطا فرمایا تھا۔ ”ورشان“ نرفاختہ کو کہتے ہیں۔ کثرت استعمال سے الف لوز حذف ہو کر ورش رہ گیا۔ یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں کہ ورش خوش قرارت اور خوش الحان تھے ان کی قرارت سننے والوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۵۵ھ میں مصر واپس آگئے اور وہیں کار تدریس میں مصروف ہوئے۔

(۲) ابن کثیر مکی | عبد اللہ بن کثیر نام۔ ابو سعید کینت ولادت

۲۷۵ھ مکہ بزمانہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وفات ۱۲۰ھ مکہ معظمہ بعد

بشام ابن عبد الملک

دوسرے طبقہ کے تابعی تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری، عبد اللہ بن زبیر قرظی، انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ عبد اللہ بن سائب صحابی سے تحصیل علم کی تھی۔ عراق میں عرصہ تک رہنے کے بعد مکہ معظمہ پھر واپس آگئے۔ اور قاضی مقرر ہوئے۔ مشہور محدث و فقیہ یغیان بن عیینہ امام النخعیل بن احمد جیسے ائمہ آپ کے شاگرد تھے۔

ان کے روایات میں بڑی اور قبل زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

بزنی | احمد بن محمد تام۔ کنیت ابو الحسن۔ ولادت ۱۸۵ھ وفات ۲۵۰ھ

مکہ معظمہ۔ اپنے جد اعلیٰ ابو بترہ کی طرف نسبت کی بناء پر بزنی کہلاتے ہیں

بزنی عکرمہ بن سلیمان سے، یہ اسمعیل بن عبد اللہ قسط اور شبلی بن عباد سے اور یہ دونوں حضرات امام ابن کثیر سے روایت کرتے ہیں۔

قنبل | محمد بن عبد الرحمن (محزونی مکی) نام، ابو عمر کنیت، قنبل لقب۔ ولادت ۱۹۵ھ۔ وفات ۲۹۱ھ عمر ۹۶ سال۔ قرارت میں حجاز کے

امام اور رئیس القرار تھے مکہ میں ان کا گھرانہ آج تک قنابلہ کے نام سے مشہور ہے

(۳) ابو عمرو بصری | ابو عمرو بن العلاء مازنی۔ نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے کنیت ہی کو نام کہا ہے۔ ولادت

۶۸ھ مکہ معظمہ۔ وفات ۱۵۴ھ کوفہ۔

بصرہ میں پرورش پائی تابعی ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ قرارت، عربیت، لغت، انساب، تاریخ اور شاعری میں اعلیٰ الناس تھے۔

حضرت حسن بصری آپ کے مداح تھے۔ رمضان میں کبھی شعر پڑھتے شام جاتے ہوئے کوفہ میں وفات پائی۔

ان کے راویوں میں دوری، اور سوسی زیادہ مشہور ہیں اور دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

دوری بصری | حفص بن عمر تام، ابو عمر کنیت۔ ولادت ۱۵۰ھ دوری وفات ۲۴۶ھ سامرہ۔

بغداد کے قریب ہی دور تانی قریہ سے اسی کی طرف نسبت کے باعث دوری کہلاتے ہیں۔ اپنے استاد ابو محمد یحییٰ بن مبارک بصری معروف بہ

یزیدی کے واسطے سے ابو عمرو بصری کی قرارت روایت کرتے ہیں۔ یزیدی بڑی شان کے ساتھ بغداد میں رہتے تھے۔ یزید بن منصور کے لڑکوں کے اتالیق ہونے کے باعث یزیدی سے مشہور ہو گئے۔ قرارت، حدیث، نحو اور لغت کے ماہر، شاعر اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ دُوری نے قرائتیں جمع کیں اور ان کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی۔ متعدد حضرات سے حدیثیں سنیں قرآن و تفسیر کے عالم تھے۔

سوسی صالح بن زیاد نام ابو شعیب کینیت۔ ولادت ۱۷۱ھ تقریباً وفات محرم ۲۶۱ھ خراسان۔ ابواذ کے موضع سوس میں پیدا ہوئے علامہ یزیدی سے تحصیل قرارت کی ان ہی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، رقعہ جو دریائے فرات کے کنارے ارض ربیعہ کا ایک شہر ہے۔ وہیں رہتے تھے۔ ۹۰ سال عمر پائی۔

(۴) ابن عامر شامی عبد اللہ نام۔ ولادت ۲۱۱ھ وفات ۱۰ محرم ۲۸۱ھ دمشق بعہد ہشام بن عبد الملک۔ دمشق کے رہنے والے تابعی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پڑھا۔

جن میں مغیرہ بن ابی شہاب اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔ ابن عامر شامی باعتبار زمانہ و بلحاظ شیوخ سب سے مقدم ہیں۔ شام کے ایک گاؤں میں جس کو رحاب یا جابہ کہتے ہیں۔ پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں دمشق تشریف لائے۔ اور وہیں قیام فرمایا۔ دمشق کے قاضی بھی تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اپنی خلافت کے زمانے میں ان کے پیچھے ناز پڑھتے تھے۔

رواۃ میں ہشام اور ابن ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

ہشام ہشام بن عمار نام۔ ولادت ۱۵۳ھ دمشق۔ وفات آخر محرم ۲۴۵ھ دمشق۔

یہ ابو الضحاک عراقی بن خالد مروزی تابعی اور ابو سلیمان ایوب بن تمیم تیممی سے اور یہ دونوں یحییٰ بن حارث اباری سے اور یہ ابن عامر شامی سے روایت کرتے ہیں۔

ہشام حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور محدثین کی ایک جماعت کثیرہ ان سے روایت کرتی ہے۔ عقل و درایت، فصاحت و بلاغت، نقل و روایت، اور علم و فضل میں مشہور تھے۔

ابن ذکوان عبد اللہ بن احمد بن بشر بن ذکوان نام۔ ابو عمرو کنیت۔ ولادت عاشورہ ۲۸۳ھ دمشق۔ وفات شوال ۲۴۲ھ دمشق۔

ہشام کی طرح ابو سلیمان ایوب بن تمیم تیممی سے یہ سند مذکور روایت کرتے ہیں ان سے ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہما محدثین کی ایک جماعت روایت حدیث کرتی ہے ولید بن عتبہ فرماتے ہیں، جو تمام عراق میں ان سے بہتر قرآن شریف پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ ابوزر عہ کہتے ہیں: قرأت قرآن میں حجاز، شام، مصر اور خراسان میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ایوب بن تمیم کے بعد دمشق کی ریاست قرآن ان ہی پر منتہی ہوتی ہے۔

(۵) امام عاصم کوئی عاصم بن ابی النجود نام۔ ابو بکر کنیت۔ وفات ۱۲۵ھ

عبداللہ بن حبیب سلمی زربن حبیش، سعید بن عیاش شیبانی سے تحصیل
قرارت کی۔ یہ تینوں حضرات کبار تابعین سے ہیں اور بلا واسطہ حضرت عثمان
حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت نمرید
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں۔

امام عاصم خود بھی تابعی ہیں۔ عارث بن حسان اور دیگر صحابہ کرام سے
ملاقات کی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ ”عاصم صاحب قرارت ہیں
اور میں ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔“ عجل فرماتے ہیں۔ ”عاصم صاحب سنت
و قرارت، ثقہ اور رئیس القرارت تھے۔“

ابو اسحق زبیری فرماتے ہیں۔ ”میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا اور
عاصم سے زیادہ قرآن مجید کا عالم نہیں پایا۔“ فصاحت و بلاغت، ضبط و اتقان،
اور تجوید میں کمال رکھتے تھے طرازا اور لہجہ عجیب تھا، خوش الحانی میں بے نظیر
تھے، ساتھ ہی عابد و زاہد اور کثیر الصلوٰۃ بھی تھے۔ وفات کے وقت آیہ ثَمَّ رُدَّ وَا
لِی اللّٰہِ مَوْلٰہُمُ الْحَقَّ بار بار پڑھ رہے تھے۔

پچاس سال تک مسند درس پر فائز رہے۔ آپ کے شاگرد بہت ہیں۔
کتنے تلامذہ تو خود اکابر ائمہ ہیں۔ جیسے امام ابو حنیفہ، حضرت فضیل اور حضرت حماد
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

رواۃ میں ان کے دو شاگرد زیادہ مشہور ہیں۔ ابوبکر شعبہ، دوسرے
حفص بن سلیمان۔

شعبہ نام۔ کنیت ابوبکر۔ ولادت ۹۵ھ کوفہ۔ وفات
۲۱ جمادی الآخرہ ۱۹۳ھ کوفہ

امام شعبہ

عالم و فاضل تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ ”شعبہ ثقہ، صالح

مدوق اور صاحب قرآن و سنت تھے۔ خود فرماتے ہیں: میں نے کبھی کوئی منکر نہیں کیا اور تیس سال سے زیادہ ہو رہے ہیں کہ روزانہ ایک ختم قرآن شریف کرتا ہوں۔

ستر سال عبادت میں گزار دیئے۔ اور چالیس سال ان کے لئے بستر نہیں بچھایا گیا۔ اس عرصہ میں زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ تلاوت قرآن سے خاص شغف تھا۔ حدیث ہے کہ نشت کے لئے جو جگہ مقرر کی تھی وہاں چوبیس ہزار ختم قرآن شریف فرمایا۔

امام عاصم سے تیس سال کی عمر میں تین مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ پانچ پانچ آیتیں پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔ امام کسائی وغیرہ ان کے تلامذہ ہیں۔
امام حفص | حفص بن سلمان نام۔ ابو عمر کنیت۔ ولادت ۹۰ھ وفات ۸۰ھ

امام عاصم کے حبیب و پروردہ) تھے ابن معین فرماتے ہیں کہ حفص و شعبہ امام عاصم کی قراءت میں اعلم الناس تھے اور حفص ابو بکر شعبہ سے اقرار تھے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ "قراءت میں حفص ثقتنا بط تھے" امام عاصم سے متعدد بار قرآن شریف پڑھا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے ساتھ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جو کچھ اپنے استاد سے پڑھتے اسے خوب یاد رکھتے

(۶) **امام حمزہ کوئی** | حمزہ بن حبیب الزیات نام، کنیت ابو عمارہ ولادت ۸۰ھ کوفہ۔ وفات ۱۵۶ھ حلوان تبع تابعی

ہیں۔ امور شرعیہ میں بڑے محتاط۔ عابد و زاہد اور قائم اللیل تھے۔ تلاوت قرآن کا شوق بہت زیادہ تھا۔ ہر مہینہ ۲۵-۲۶ بار قرآن شریف ختم کرتے علم فرائض میں بڑے ماہر تھے۔ ابن فضل فرماتے ہیں: "کوفہ سے امام حمزہ کے باعث بلاد دور ہوتی

ہے۔ ان کے استاد حضرت اعلمش انہیں دیکھتے تو فرماتے یہ ”حبرِ قرآن ہے“ امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں: ”حمزہ قرأت اور فرائض میں بلا نزاع ہم سب پر فائق ہیں، امام قرأت کسائی۔ سفیان ثوری۔ اور ابراہیم بن ادہم جیسے جلیل القدر حضرات امام حمزہ کے شاگردوں میں ہیں۔“

ان کے روات میں خَلَفٌ اور خَلْدٌ زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات بواسطہ ابو عیسیٰ سلیم بن عیسیٰ کوئی امام حمزہ سے روایت کرتے ہیں۔

کوفہ کے اندر ۱۳۱ھ میں حضرت سلیم کی ولادت ہوئی اور ۱۸۸ھ یا ۲۰۰ھ میں وہیں وفات پائی امام حمزہ کے تلامذہ میں خاص جلالت رکھتے تھے۔ یحییٰ فرماتے ہیں کہ جب سلیم آتے تو امام حمزہ فرماتے مؤدب ہو جاؤ سلیم آرہے ہیں۔ امام سلیم خود فرماتے ہیں میں نے امام حمزہ سے دس مرتبہ قرآن شریف پڑھا اور ایک حرف میں بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔

خلف خلف بن ہشام بزار۔ خود ائمہ عشرہ سے ہیں۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ ۲۲۹ھ بغداد میں وفات پائی۔

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر چکے تھے اور تیرھویں سال میں سماعت حدیث کی۔ عابد و زاہد۔ صائم الدبر، ثقہ اور جلیل الشان امام تھے۔ حفاظ حدیث میں سے ہیں ان سے امام مسلم و امام ابو داؤد وغیرہما محدثین حدیث روایت کرتے ہیں۔

خلاد خلاد بن خالد صیرفی نام۔ ابو عیسیٰ کنیت۔ وفات ۲۳۱ھ کوفہ میں تھی۔ قوی الحافظہ، ثقہ، محقق، مجتہد، صاحب ضبط و اتقان تھے۔ جامع ترمذی اور صحیح ابن خزمیہ میں ان سے حدیث مروی ہے۔

(۷) امام کسائی کوئی علی بن حمزہ کوئی نام، ابو الحسن کنیت، ولادت ۱۱۹ھ کوفہ۔ وفات ۱۸۹ھ حرام

کی حالت میں کساد (کلی) پہنچتے تھے اسی لئے کسائی سے مشہور ہو گئے۔ امام حمزہ عیسیٰ بن عمرو اور ابو بکر بن عیاش سے تحصیل فن کی۔ علم قراءت کے امام ہونے کے علاوہ نحو و لغت کے بھی امام تھے۔ معانی القرآن، کتاب النحو، نواذر کبیر وغیرہ ان کی تصانیف ہیں سیبویہ سے ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

ہارون کے ساتھ ”رے“ جاتے ہوئے موضع مرینویہ میں وفات پائی۔ وہیں امام محمد شاگرد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے بھی وفات پائی جس پر ہارون نے کہا تھا ”ہم نے فقہ اور قراءت کو یہاں دفن کر دیا۔“

ان کے شاگردوں میں دو راوی زیادہ مشہور ہیں۔ ابو الحارث اور دوری

بیش بن خالد (مروزی بغدادی) نام۔ ابو الحارث کینت ثقفی، ضابطہ، صالح، محقق اور قراءت کے ماہر امام کسائی کے اجل تلامذہ سے تھے۔ ۲۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔

ابو الحارث

ان کا حال گندہ چکا۔ چونکہ یہ ابو عمرو بصری، اور امام کسائی دونوں کے راوی ہیں اس لئے امام کسائی کی روایت بیان کرتے وقت دوری علی یا دوری کسائی — اور ابو عمرو بصری کی روایت کے وقت دوری بصری لکھتے ہیں۔

دوری

(تیسیر الطبع فی اجراء السبع از مولانا محمد حسین اشرفی۔ مقدمہ)

(۸) یعقوب حضرمی بصری (قاری عشرہ) ولادت ۱۷۰ھ وفات ۲۳۰ھ

جماعت کثیرہ سے تحصیل قراءت کی۔ امام کسائی، محمد بن زریق کوئی، اور امام حمزہ سے بھی سماع حاصل ہے۔ ان کی سند قراءت یہ ہے — یعقوب بن زید سلام عاصم۔ ابو عبد الرحمن سلمی۔ علی بن ابی طالب۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم۔ ان سے جماعت کثیرہ نے تحصیل قرارت کی ہے۔ بصرہ کی جامع مسجد کے امام ہمیشہ یعقوب ہی کی قرارت پر نماز پڑھتے۔ ان کے باپ اور دادا دونوں حضرات قاری ہیں۔ صاحب فاضل و کمال، متقی و زاہد تھے۔ زاہد اور خدا کی طرف توجہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار نماز میں ان کے کندھے سے چادر چڑھ لی گئی۔ مگر انہیں خبر نہ ہوئی۔ پھر چادر لاکر رکھ دی گئی تو بھی انہیں پتہ نہیں چلا۔

قرآن، عربیت، روایت حدیث، اور فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ابو حاتم قرنیؒ ہیں۔ ہم نے جن لوگوں کو پایا۔ ان میں یعقوب سب سے بڑے قاری و عالم تھے۔ ذی الحجہ ۲۰۵ھ میں اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے باپ دادا اور پردادا کی بھی یہی عمریں تھیں۔ تمام حضرات نے اٹھاسی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

وفات ۱۳۰ھ مدینہ

(۹) ابو جعفر زید بن القفعا ع مدنی

عبداللہ بن عیاش مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اپنے مولیٰ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تحصیل قرارت کی۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مردان بن الحکم سے بھی سماع حاصل ہے کہ کسی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر کئے گئے۔ انہوں نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت کی۔

واقعہ ۲۰۵ھ سے پہلے مدینہ میں یہ سب سے بڑے قاری تھے ان سے امام نافع بن ابی نعیم، سلیمان بن مسلم، عیسیٰ بن وردان، امام ابو عمرو، عبدالرحمن بن زید بن اسلم اور خود ان کے دونوں فرزند اسمعیل و یعقوب نے ان سے روایت قرارت کی ہے۔ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج جیسے جلیل

القدر تابعی پر اس زمانے میں انہیں مقدم کیا جاتا۔

صوم داؤدی (ایک دن روزہ ایک دن انظار) کے پابند تھے۔ فرماتے اس روزے سے اپنے نفس کو عبادت الہی کے لئے تیار کرتا ہوں درمیان شب چار رکعت نماز ادا کرتے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد طویل مفصل (حجرات تابروج) کی کوئی سورہ پڑھتے۔ بعد نماز اپنے لئے تمام مسلمانوں کے لئے اور ان سب لوگوں کے لئے دعائیں کرتے جنہوں نے ان سے پڑھا اور ان کے بعد یا ان سے پہلے ان کی قراءت کی امام نافع بیان کرتے ہیں۔ بعد وفات جب امام ابو جعفر کو غسل دیا جا رہا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے گلے سے دل تک ورق مصحف کی طرح روشن ہے۔ دیکھنے والوں کو اس میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ نور قرآن تھا۔ مدینہ کے اندر ۳۷۵ میں وفات پائی۔

رواة امام حمزہ کے ضمن میں

ان کے حالات گزر چکے۔

(۱۰) خلف بن ہشام بغدادی

ارباب تصنیف

عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید اموی۔ ولادت

۱۷۵ھ۔ وفات ۲۵۱ھ شوال ۲۴۳ھ دانیہ۔

ابو عمرو دانی

(۱) کتاب التیسیر (۲) جامع البیان فی القراءات السبع

(۳) المتقن فی رسم المصحف (۴) المحکم فی النقط (۵)

تصانیف

المحتوی فی القراءات الشواذ (۶) طبقات القراء - ۳ جلدیں (۷) شرح قصیدۃ

الخاقانی فی التجوید وغیرہ۔

قاسم بن فیروز - ولادت ۵۳۳ھ شاطبیہ (قریب اندلس)

وفات ۲۸ جمادی الآخرہ ۵۹۰ھ قاہرہ -

امام شاطبی

تصنیفات میں سب سے اعلیٰ قصیدہ لامیہ شاطبیہ ہے اور قصیدہ رائیہ -

علی بن محمد بن عبدالقصد ہمدانی سخاوی ولادت ۵۵۸ھ یا

۵۵۹ھ سخا (مصر) وفات ۱۸ جمادی الآخرہ ۶۲۳ھ -

امام سخاوی

(۱) فتح الوصید شرح شاطبیہ (شاطبیہ کی سب سے پہلی شرح (۲)

تصانیف الوسیلہ الی شرح العقیلہ - امام شاطبی کے قصیدہ رائیہ کی شرح

(۳) الفضل فی شرح المفصل (نحو) ۴ جلدیں (۴) سفر السعاده وسفیر الاقادة

و مفصل ہی کی دوسری شرح (۵) زحشری کے احاجی نحویہ کی شرح (۶) چار

جلدوں میں سورہ کہف تک کی تفسیر (۷) القصائد السبع فی مدح سید الخلق صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم (۸) المفاخرۃ بین دمشق والقاہرہ وغیرہا -

ابو اسحاق ابراہیم بن عمر جعبری ولادت ۶۲۳ھ تقریباً

دقلو جیسے وفات ۱۳ رمضان ۷۲۲ھ -

شیخ جعبری

تصنیفات میں شاطبیہ و رائیہ کی شرحیں اور بہت سی کتابیں ہیں -

منتخب الدین بن ابی العزیز رشید - وفات ۶۳۳ھ

ابو یوسف ہمدانی دمشق - تصنیفات میں شرح شاطبیہ و شرح

ابو یوسف ہمدانی

مفصل ہیں -

محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف جزری ولادت

شب شنبہ ۲۵ رمضان ۷۵۱ھ دمشق وفات

امام جزری

چاشت جمعہ ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ شراز -

تصنیفات (۱) النشر فی القراءات العشر و جلدیں (۲) مختصر نشر تقریب

(۳) تخییر الیثیر فی القراءات العشر (۴) طبقات القراء و تارخ مجتم کبری و صغری
 (۵) شرح المصانیح - ۳ جلدیں (۶) غایۃ المہر فی الزیادۃ علی العشرہ
 (۷) طیبۃ النشر فی القراءات العشر (منظوم) (۸) الجوہرۃ فی النحر و غیرہا۔
 (مفتاح السعاده و مصباح السیادہ فی موضوعات العلوم - احمد
 بن مصطفیٰ طاش کبری زادہ ج ۲ ص ۶ تا ۵۶)



نقشہ اختلاف قراءت

سورۃ النور پارہ ۱۸

قاری	۱۱- تافع دہلی	۱۲- ابن شریک	۱۳- ابو عمرو	۱۴- شامی	۱۵- امام کوئی	۱۶- حمزہ کوئی	۱۷- کسائی
راوی	۱- قالون	۱- بزی	۱- دوری	۱- ہشام	۱- شعبہ	۱- خلف	۱- ابوالحارث
راوی	۲- ورش	۲- قنبل	۲- سوسی	۲- ابن ذکوان	۲- حفص	۲- خلاد	۲- دوری

شمارہ کلمات	کلمات (قرارت)	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۱	فَرَضْنَهَا فَرَضْنَهَا	۱ رامشدد ۲ راحففت	ابن کثیر کی، ابو عمرو و بصری باقی قرار	ہم نے اسے خوب فرض کیا ہم نے اسے فرض کیا
۲	تَدْكُرُونَ تَدْكُرُونَ	۱ ذال مخفف ۲ ذال مشدد	حفص، حمزہ، کسائی باقی قرار	تاکہ تم (دھیان کرو =
۳	رَافَةٌ رَافَةٌ رَافَةٌ	۱ ہمزہ مفتوحہ ۲ ہمزہ ساکنہ ۳ الف	ابن کثیر باقی قرار سوسی	رحم، ترس " "
۴	المُحَصَّنَاتِ المُحَصَّنَاتِ	۱ صاد کو زیر ۲ صاد کو زیر	کسائی باقی قرار	پار تا عورتیں =
۵	اربع شہدات اربع شہدات	۱ عین کو پیش ۲ عین کو زیر	حمزہ، کسائی، حفص باقی قرار	دایہ کسی کی گواہی (دچار گواہیاں ہیں دایہ کسی کی گواہی یہ ہے چار بار گواہیاں دے
۶	أَنْ لَعَنْتُ أَنْ لَعَنْتُ	۱ اَنْ بلا تشدید و تنوین ۲ اَنْ بنویں مشدد و تاکو فتو	تاقع باقی قرار	یہ کہ اللہ کی لعنت =

شمارہ کلمات	کلمات (قرارت)	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۷	لَعْنَةُ (وقف میں) لَعْنَتْ ()	۷ تاکو ہاے بدل کہ تاکو ساکن کر کے	مکی، بصری، کسان باقی قرار	یہ کہ اللہ کی لعنت "
۸	الخامسة الخامسة	۹ تاکو نصب تاکو رفع	حفظ باقی قرار	پانچویں (یوں گواہی دے) پانچویں گواہی یہ کہ
۹	أَنَّ غَضِبَ اللَّهُ أَنَّ غَضِبَ اللَّهُ	۹ ن جحف، غاد کو کسر ن مشد و ضاد کو فتح با کو کسر	نافع باقی قرار	اللہ غضب کرے (اوپر) اللہ کا غضب (اوپر)
۱۰	لَا تَحْسِبُوهُ تَحْسِبُونَهُ يَحْسِبُهُ لَا تَحْسِبِينَ (مذکورہ چہار کلمات)	۱۱ سین کو زیر ۱۵ " ۳۹ " ۵۷ " سین کو زیر	نافع، ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری " " باقی قرار	اسے نہ سمجھو تم اسے سمجھتے ہو اسے سمجھتا ہے ہرگز نہ سمجھنا (ایضاً)
۱۱	لَا يَحْسِبِينَ لَا تَحْسِبِينَ	۵۷ یا کے ساتھ تا خطاب کے ساتھ	ابن عامر، حمزہ باقی قرار	ہرگز نہ سمجھے ہرگز نہ سمجھنا

شمارہ کلمات غزلت	کلمات (قرارت)	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۱۲	اِذْ تَلَقَّوْنَهُ اِذْ تَلَقَّوْنَهُ	تا مشدد تا مخفف	نافع، مکی، بصری باقی قرار	جب تم ایسی بات ایک دوسرے سے شکر لاتے
۱۳	رَعُوفٌ رَعُوفٌ	یغیر واو واو کے ساتھ	ابو عمرو، شعبہ حمزہ کسائی باقی قرار	مہربان "
۱۴	خُطُواتِ دُونِ جَبَّةٍ خُطُواتِ	طا کو پیش طا ساکن	قبل، ابن عامر، حفص باقی قرار	قدموں "
۱۵	یَوْمَ یَشْهَدُ یَوْمَ تَشْهَدُ	یا، مذکر کے ساتھ تأانیث کے ساتھ	حمزہ، کسائی باقی قرار	ان پر گواہی دیں "
۱۶	بِیُوتِ دِہٰنِ بَیْہِیْوِ بِیُوتِ	با کو پیش با کو زیر	ورش، ابو عمرو، حفص باقی قرار	گھروں "
۱۷	قِیلَ دِماضِ بَہِیْلِ قِیلَ	بالا شام بلا شام	بشام، کسائی باقی قرار	کہا گیا "

شمارہ و کلمات خلاصہ	کلمات (قرارت)	توضیح قرارت	اصحاب قرأت	ترجمہ
۱۸	جَبُوہِمَنْ جَبُوہِمَنْ	۳۱ جیم کو پیش " جیم کو زیر	نافع، ابو عمرو، بشام، عامر باقی قرار	اپنے گریہ بالوں "
۱۹	غیرِ اُولٰٓئِ غیرِ اُولٰٓئِ	۳۱ را کو زیر " را کو زیر	ابن عامر، شعبہ باقی قرار	شہوت والوں کے علاوہ جو شہوت والے نہ ہوں
۲۰	اَیُّہُ الْمَوْتُونَ اَیُّہُ الْمَوْتُونَ ایہاد کالت وقف اَیُّہُ	۳۱ ہار کو پیش ہار کو زیر ہامع الت ہ موقوفہ	ابن عامر، بحالت وصل باقی قرار ابو عمرو، کسائی باقی قرار	اے ایمان والو " " "
۲۱	مُبِیِّنَات مُبِیِّنَات	۳۴ یا کو زیر ۴۶ یا کو زیر	ابن عامر، حفص، حمزہ کسائی باقی قرار	صاف بیان کرنیوالی دائیں (روشن آئیں)
۲۲	دِرِّی دَعُو دِرِّی دِرِّی	۳۵ دال کو زیر، یا ساکن پھر ہمزہ دال کو پیش، بغیر ہمزہ بجائے ہمزہ یا مشد دال کو پیش، یا ساکن پھر ہمزہ	ابو عمرو، کسائی نافع، ابن کثیر، ابن عامر حفص حمزہ، شعبہ	موتی ساچھکتا " "

شمارہ کلمات و حروف	کلمات (قرارت)	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۲۳	يُسَبِّحُ يُسَبِّحُ	۴۱ بصیغہ مجهول۔ باکو زیر معروف باکو زیر	بن عامر و شعبہ باقی قرار	اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں
۲۴	سَحَابٌ ظَلَمَتْ سَحَابٌ ظَلَمَتْ سَحَابٌ ظَلَمَتْ	۴۰ باپیش بلا تنوین تا پیر زیر مع تنوین باپیش مع تنوین با اور تا پیر پیش مع تنوین	بُزْزِي قنبل باقی قرار	تاریکیوں کے بادل بادل۔ تاریکیاں بادل۔ تاریکیاں
۲۵	يُنْزِلُ يُنْزِلُ	۴۳ باب افعال سے نون ساکن زا کو کسر بلا تشدید تفعیل سے نون کو فتوح زا کو کسر مع تشدید	بصری بقیہ قرار	اتارتا ہے اتارتا ہے دھوڑا تھوڑا
۲۶	خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ	۴۵ خاک کے بعد الف، لام کو کسر۔ ق کو صمٹہ کل کے لام کو کسر خاک کو فتوح بلا الف، لام اور قاف کو فتوح کل کے لام کو فتوح	حمزہ، کسائی بقیہ قرار	اللہ (نے) زمین پر چلنے والے کا (پانی سے) بنانے والا اللہ (نے) زمین پر چلنے والا (پانی سے) بنایا
۲۷	صِرَاطٍ صِرَاطٍ صِرَاطٍ	۴۶ سین سے بالا شام۔ حاد کو قدر زا کی بود کے کر پڑ حنا حاد	قنبل خلف دیگر قرار	راستہ " "

شواہدات اخلاقیہ	کلمات (قرارت)	توضیح قرارت	اصحاب قرارت	ترجمہ
۲۸	وَيَتَّقِه وَيَتَّقِه وَيَتَّقِه وَيَتَّقِه	۵۲ قاف کو زیر ہا کو زیر بلاصلہ۔ قاف ساکن ہا کو زیر بلاصلہ۔ قاف کو زیر ہا ساکن بلاصلہ۔ قاف کو زیر ہا کو زیر مع صلہ۔	قانون (بلا خلف) ہشام (بلا خلف) حفص بصری و شعبہ بلا خلف جلال بالخلف۔ ورش، مکی، ابن ذکوان خلف، کسائی۔	اور اس سے ڈرے ” ” ”
۲۹	فَانْ تَوَلَّوْا فَانْ تَوَلَّوْا	۵۳ تا مشد بلا تشدید	بزی (بجالت وصل) باقی قرار	پھر اگر تم منہ پھرو ”
۳۰	كَمَا اسْتَخْلَفَ كَمَا اسْتَخْلَفَ	۵۵ بعینہ مجہول تا کو پیش لام کو زیر۔ (معروف) تا اور لام کو زیر	شعبہ باقی قرار	جیسے خلافت دی گئی ان سے پہلوں کو۔ جیسے اس نے خلافت دی۔
۳۱	وَلْيَبْدِلْهُمْ وَلْيَبْدِلْهُمْ	باساکن، دال مخفف با منقوع، دال مشد	ابن کثیر، شعبہ باقی قرار	اور وہ اُسے ضرور بدل دے گا۔ ”
۳۲	ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ	۵۸ دوسری تا کو رفع دوسری تا کو نصب	نافع، مکی، بصری، شامی، حفص حمزہ، مکی، شعبہ	یہ تین عورتیں اور تین عورتیں تین شرم کے اوقات ہیں۔

شمارہ کلام	کلمات (قراءت)	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۳۳	بَيُوتِ اِمَّهَاتِكُمْ بَيُوتِ اِمَّهَاتِكُمْ بَيُوتِ اِمَّهَاتِكُمْ	ہمزہ اور میم دونوں کو زیر ہمزہ کو زیر میم کو زیر ہمزہ کو پیش میم کو زیر	ہمزہ دجالت وصل کسائی () ہمزہ و کسائی بحالت ابتدا باقی قراء بہر دو حالت	اپنی ماؤں کے گھروں " " "

پوری سورہ نور کے اختلافات قراءت ہم نے پیش کر دیئے۔ نقشہ اختلاف سے ظاہر ہے کہ یہ اختلافات صرف بعض حرکات و حروف یا طریق ادا سے متعلق ہیں۔ معانی میں ہرگز کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی حلال حرام یا کوئی حرام حلال ہو جائے۔ بلکہ آپ غور کریں۔ تو اکثر جگہ یہی واضح ہو گا کہ محض اعراب و ترکیب یا طریق ادا کا فرق ہے۔ جن سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بعض مقامات پر اگر کلمات کا فرق ہے تو بھی مقصود کلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مثلاً مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ (روز جزا کا بادشاہ) مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ (روز جزا کا مالک) مالک اور بادشاہ دونوں خدا کے لئے صحیح، اور دونوں صفات پر اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔ اُنزل (یکبارگی اترا) نَزَّلَ (تھوڑا تھوڑا اترا) قرآن کے بارے میں دونوں حق ہیں۔ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف پورا قرآن یکبارگی اترا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ علاوہ انہیں انزل اور نزل ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

کوئی سوچ سکتا ہے کہ آخر ان اختلافات میں کیا خوبی اور
فوائد اختلاف کی حکمتیں تھیں کہ منسوخ نہ ہوئے بلکہ باقی رکھے گئے۔
 ایسے حضرات کے لئے جواباً اور افادۂ نگہا جاتا ہے کہ ان اختلافات میں بھی بہت
 بے فوائد اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) امت کے لئے اس میں بہت نرمی۔ سہولت اور آسانی ہے کہ ان
 مختلف طریقوں میں سے جس طریق پر کوئی چاہے قرآن کی تلاوت کرے۔ اس
 کی نماز جائز۔ اس کا مقصود حاصل۔ اور اس کے لئے اجر ثابت۔

(۲) اگر کوئی شخص تمام طرق کی قرارت کرے تو اس کا ثواب اس حیثیت
 سے بہت عظیم و کثیر کہ اس نے ان قرارتوں اور طریقوں کی تحقیق۔ لفظ۔ لفظ۔ حرف
 حرف حتیٰ کہ مدوں کی کثیر مقداروں اور مالول کے فروق تک کے ضبط و حفظ
 اور ان سب کی مراعات میں بھرپور محنت صرف کی اور ان سب کی ادائیگی اور
 تلاوت سے شرف یاب ہوا۔ ظاہر ہے کہ محنت و عمل میں جس قدر زیادتی ہوگی
 ثواب میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اِجْرَ الْمُحْسِنِ (قرآن)
 بے شک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ فضل العبادات احمد رضا
 (حدیث) بہترین عبادت وہ جس میں مشقت زیادہ ہو۔

(۳) ان اختلافات کے باعث اہل علم و اجتہاد کے لئے معافی میں فکر و تدبیر
 کی مزید راہیں کھلتی ہیں۔ ہر قرارت کے نظم کی عبارت، دلالت، اشارت، اور
 اقتضائے احکام و مسائل کے استنباط کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ ہر کلمہ مختلف یا
 مختلف کلمات کی توجیہ،

تعیین اور ترجیح ظاہر کرنے پر تحقیقی و تدقیقی نظر کا موقع ملتا ہے۔ اور ان سب میں فکر و اجتہاد سے کام لے کر واقعہ انہوں نے بے شمار شرعی احکام کا استخراج کیا جس سے امت کو اپنے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مسائل و احکام دستیاب ہونے بہت سی آسانیاں بھی ملیں۔ اور ان مسائل و احکام پر عمل کر کے وہ اجر و ثواب کی مستحق ہوئی اور ہوتی ہے، ان سب کا ثواب اصحاب اجتہاد و استنباط کو بھی ملتا ہے۔ ان کا ذاتی ثواب، علمی رفعت، امتیازی فضل و شرف، اور دوسرے عمومی فوائد کا حصول مزید برآں۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔

(۴) پھر ان کثیر اختلافات اور ان کی بقا میں حفاظت ربانی کا اعجاز بھی نمایاں ہے کہ اس نے اپنی مقدس کتاب کو ان تمام وجوہ کثیرہ اور قراءات مختلفہ کے ساتھ اسی عالم رنگ و بو، اور اسی دنیا ئے متغیر میں ہر قسم کی تحریف اور تغیر و تبدل سے محفوظ رکھا۔

(۵) اس میں اس امت مرحومہ کے فضل و شرف اور عن اللہ اس کی عظمت و محبوبیت کا بھی اظہار ہے۔ کہ دیگر امتوں کو ایک ہی طرز و طریق پر کتابیں ملیں اور یہ امت ان طرق کثیرہ سے بہرہ ور ہوئی۔

(۶) اگر قراءتوں کے تنوع پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر قراءت علیحدہ آیت کا حکم رکھتی ہے۔ مثلاً مَلِكٌ اور مَالِكٌ دونوں قراءتوں کے اعتبار سے مَلِكٌ یوم الدین اور مَلِكٌ یوم الدین گویا دو آیتیں ہیں۔ ایک سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت اور اس کا نام بجا دشاہ روز جزا! اور دوسری سے اس کی ایک اور صفت "مالک روز جزا" معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اصول فقہ میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ دو قراءتیں، دو آیتوں کا حکم رکھتی ہیں۔ اس طرح صرف ایک کلمہ میں اختلاف قراءت کے باعث ہمیں دو یا زیادہ حکم معلوم ہو جاتے ہیں جو الگ الگ بیان ہوتے تو دو یا زیادہ آیتوں کی ضرورت ہوتی، اور موجود صورت میں صرف کلمات کے اندر اختلافات قراءت کئی آیات کی ضرورت پوری کر

دینے ہیں۔ لہذا اگر اختلاف قرأت کہ بجائے علیحدہ علیحدہ قرأتیں الگ الگ آیتوں میں ہوتیں تو بہت زیادہ طول و اطناب ہوتا۔ صرف قرأتوں کے مختلف اور آیتوں کے مستدرجنے میں کمال ایجاز کا ظہور ہے کہ دیکھنے میں تو آیات مختصر ہیں مگر بہ لحاظ تعدد قرأت، معانی بہت زیادہ۔ اور ایک آیت کئی آیتوں کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اس نوع کا کمال ایجاز بھی قرآن کریم کا عظیم اعجاز ہے جس کی مثال کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتی۔

(۷) بعض مقامات میں ایک قرأت، دوسری قرأت کے اجمال کی تفسیر و تفصیل کر دیتی ہے۔ مثلاً ایک قرأت میں يَطْهَرُونَ تخفیف کے ساتھ ہے، دوسری میں يَطْهَرُونَ تشدید کے ساتھ ہے۔ پہلی کا معنی وہ پاک ہو جائیں۔ دوسری کا معنی وہ خوب پاک ہو جائیں۔ دوسری قرأت پہلی قرأت کی تفسیر کر دیتی ہے۔ ایک قرأت میں ہے فَاَمْضُوا ذِكْرَ اللَّهِ دوسری میں فَاَسْعُوا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ پہلی کا معنی (جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو) تو خدا کے ذکر کی طرف چل پڑو۔ دوسری کا معنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ پہلی قرأت سے دوسری کی تفسیر ہو گئی کہ مقصود ہے کہ ذرا چستی کے ساتھ چل پڑو۔ دوڑنا مراد نہیں۔ (القان ج ۱ ص ۸۴ باضافہ تشریح و توضیح)

اختلاف قرأت میں علماء نے اور بھی حکمتیں بتائی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند بیان کر دی گئیں۔ ان تفصیلات سے معلوم ہو گا کہ۔

(۱۱) اختلاف قرأت سے اصل مفہوم و مقصود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ بیشتر مقامات میں تو ترجمہ پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۱۔ ہماری کتب اصول فقہ میں اس کی ایک اور عمدہ توجہ ہے اسے وہیں سے معلوم کریں یہاں خوف طوالت ترک کی جاتی ہے۔

(۲) اختلاف قرأت کوئی عیب و نقص نہیں۔ بلکہ بہت سے فوائدِ حکم۔ مسامح اور بے مثال محاسن پر مشتمل ہے۔

(۳) یہ کسی کی ایجاد و اختراع نہیں بلکہ خدا کی طرف سے نازل اور سرکارِ مہبط وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور قرآن کے دورہ اخیر میں قائم و باقی اور زور رسالت سے اب تک بتواتر منقول ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو اختلاف قرأت کو خواہ مخواہ ایک زبردست اعتراض بنا کر پیش کرنا آخر کون سی حکمت پر مبنی ہے؟ کیا اس طرح کے بے منہ اعتراضات سے تورات و انجیل کی تحریفیات پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے؟ صدیوں کے کھلے ہوئے جرائم بہر حال جرائم ہی رہیں گے۔ وہ عیوب و قبائح، قرآن پر اعتراض رہینے سے محاسن و کمالات میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی ان کے خود کردہ جرائم اور قرآن کے ازلی وابدی محاسن پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے۔ وهو الہادی الی سواء السبیل

اب یہ ایک سوال رہ جاتا ہے کہ جب **قرأت سبعہ پراقتصار کیوں؟** ائمہ قرأت بہت تھے جن میں بعض حضرات ائمہ سبعہ سے زیادہ جلیل القدر اور ان پر فائق ہیں۔ اور بعض حضرات ان کے ہم رتبہ ہیں پھر سات ہی ائمہ کی قرأتوں پر اقتصار کیوں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اور ان کے رُواۃ واقعہ بہت تھے۔ مگر جب حوصلے پست ہو گئے تمام قرأت اور ان کے بے شمار تلامذہ و رُواۃ سے اخذ و روایت مشکل و دشوار ٹھہری تو لوگوں نے خطِ مصحف کے موافق قرأتوں میں سے صرف ان طُرُق پر اقتصار کر لیا جن کا حفظ آسان ہو اور جن سے قرأتوں کا انضباط بھی ہو جائے یعنی اس طرح کہ ثابت شدہ قرأتوں میں سے کوئی چھوٹ نہ سکے۔ اس لئے ہر شہر سے ایک امام کو لے لیا۔ اور ان دوسری قرأتوں کی بھی روایت و قرأت نہ ترک کی۔

جوان کے علاوہ دیگر ائمہ قرأت کے نزدیک تھیں جیسے امام یعقوب، امام ابو جعفر
امام شیبہ وغیرہم کی قرأتیں

(اتقان ج ۱ ص ۸۳) ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں ۱۔

ليست هذه السبعة

ایسا نہیں کہ صرف یہی سات قرأتیں

متعينة للجوانح حتى لا يجوز

جائزہ ہیں، اور دوسری قرأتیں نہیں،

غيرها كقراءة الجعفر وشيبة

جیسے ابو جعفر شیبہ، آئمش اور دوسرے

والاعمش ونحوهم

ائمہ کی قرأتیں (ان کی قرأتیں کیوں کہ

فان هؤلاء مثلهم او فوقهم

جائزہ ہوں گی جبکہ یہ لوگ بھی ائمہ سبعہ

(اتقان ج ۱ ص ۸۴)

کے ہم رتبہ یا ان سے بھی فائق ہیں۔

جس طرح کثرت ائمہ اور ان کی قرأتوں کے جواز کے بارے میں فرمایا گیا یوں

ہی ائمہ سبعہ کے روادے متعلق بھی اقوال ہیں۔ ابو حیان نے کہا :-

هذا ابو عمرو بن العلاء

دترم سبعہ میں سے: یہ ابو عمرو بن العلاء

اشتهر عنه سبعة عشر رواية

میں جن سے سترہ روادے ابو حیان نے ان

ثم ساق اسماءهم - واقتصر في

کے نام بھی گنائے مشہور ہیں اور کتاب

كتاب ابن مجاهد على اليزيدي

ابن مجاہد میں صرف نیریدی کا نام ہے

واشتهر عن اليزيدي عشرة

پھر نیریدی سے دس راوی شہرت یافتہ

انفس فكيف يقتصر على السوي

ہیں تو پھر سوسے دوسری پر اقتصار

والدوسري وليس لهما مزية

کیوں ہوگا جب کہ انہیں دوسروں پر کوئی

على غيرهما لان الجميع مشتركون

فضیلت نہیں کیونکہ ضبط و اتقان

في الضبط والاتقان والاشتراك

اور شرکت تحصیل میں سب برابر ہیں۔

في الاخذ قال - ولا اعرف لهذا

مجھے اس کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا

سبباً الا ما قضى من نقص العلم
سوائے اس کے کہ علم کی کمی مقدر
ہو چکی ہے۔ (اتقان ج ۱ ص ۸۲)

یوں ہی امام کی، ابو العلماء ہمدانی، بغوی وغیرہم ائمہ قرأت کے ارشاد
ہیں۔ اس کی صراحت کرنے والے آخری شخص امام تقی الدین سبکی ہیں۔ ان کے
صاحبزادے فرماتے ہیں۔ ہمارے والد سے ایک شخص نے قرأت سبعہ کی اجازت
مانگی تو انہوں نے فرمایا میں نے تمہیں قرأت عشرہ کی اجازت دی۔ ایک سوال کے
جواب میں فرمایا :-

القرأت السبع التي اقصر
عليها المشاطبي والثلاث التي هي
قراءة ابي جعفر ويعقوب وخلف
معلومة من الدين بالضرورة
وكل حرف الفرد به واحد من
العشرة معلوم من الدين
بالضرورة انه منزل على رسول
الله صلى الله تعالى عليه وسلم
لا يكابرني شيء من ذلك
الاجاهل۔
وہ سات قرأتیں جن پر شاطبی نے اقصار
کیا ہے اور وہ تین جو ابو جعفر یعقوب
اور خلف کی قرأتیں ہیں یہ سب
بالضرورة دین سے معلوم ہیں اور ہر وہ قرأت
جو ائمہ عشرہ میں سے کسی ایک کے پاس
ہو وہ بھی ضروریات دین سے، اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ
ہے۔ ان میں سے کسی بات پر بھی
کوئی جابل ہی مکابرہ کرے گا۔

وہی علامہ سبکی کے فسرز مد منع الموانع میں فرماتے ہیں کہ — ہسم نے
جمع الجوامع میں یہ بتایا کہ ساتوں قرأتیں متواتر ہیں۔ پھر شاذ اور صحیح کے بارے
میں کہا کہ یہ عشرہ کے علاوہ ہیں۔ ہم نے یہ نہ کہا کہ عشرہ متواتر ہیں۔ اس لئے کہ
سبعہ کے تواتر میں کوئی اختلاف نہیں لہذا ہم نے انہیں پہلے ذکر کیا پھر مقام

خلاف کو اسی پر منعطف کیا۔ مگر بعد کے علاوہ بقیہ میں قراءتوں کے نام تو ہونے کا قول انتہائی گنا گزرا ہے۔ کسی ایسے شخص سے وہ منقول نہیں جس کا قول دین میں قابل اعتبار ہو۔ پھر یہ تینوں قراءتیں رسم مصحف کے مخالف بھی تو نہیں۔
(اتقان ج ۱ ص ۸۴)

قراۃ نے شافعی میں فرمایا۔
تمسك بقراءة سبعة من
الاثمة دون غيرهم ليس فيه
اشد ولا سنه وانما هو من جمع
بعض المتأخرين . فانتشرو
او هم انه لا يجوز الزيادة على
ذلك ولم يقل به احد
(اتقان ج ۱ ص ۸۴)

صرف سات ائمہ کی قراءتیں لینا دیگر
ائمہ کی نہیں۔ اس بارے میں نہ
کوئی اثر ہے نہ سنت۔ یہ صرف بعض متأخر
کی تالیف ہے جس سے یہ انتشار و
وہم پیدا ہوا کہ اس پر زیادتی
جائز نہیں حالانکہ اس کا قائل
کوئی نہیں۔

علماء اسلام نے کسی قرأت کے قبول
قراءتوں کا معیار قبول
کا معیار تین باتوں کو قرار دیا ہے۔

(۱) وہ قرأت زبان عربی کے مطابق ہو۔ خواہ نحو کے کسی بھی طریقہ پر ہو
افصح۔ یا فصیح متفق علیہ۔ یا فصیح مختلف فیہ جبکہ وہ قرأت ائمہ
کے نزدیک شائع و ذائع اور سند صحیح سے ثبوت کے باعث قبول یافتہ ہو
(۲) مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو۔ اگرچہ موافقت
محض احتمالاً ہو جیسے "ملك" کہ یہ مالک بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ "هلك الملك"
کے طور پر۔ اور بعض جگہ تو احتمالاً انہیں بلکہ صراحۃً ہوتی ہے جیسے "لعمون"
کہ اسے "لعمون" اور "تعمون" دونوں پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ اس

وقت تک نقطے ایجاد نہ ہوئے تھے۔

(۳) وہ قرأت صحیح سند سے ثابت ہو۔

جب کسی قرأت میں یہ تینوں ارکان پائے جائیں تو وہ قرأت مقبول صحیح اور ناقابل انکار ہے خواہ ائمہ سبعہ و عشرہ سے مروی ہو یا نہ ہو۔ ائمہ مقبولین سے۔ اور اگر ان تین ارکان میں سے کوئی رکن فوت ہو تو وہ قرأت ضعیف شاذ یا باطل کہی جائے گی۔ اگرچہ ائمہ سبعہ یا ان سے بھی بزرگ تراجمہ کی طرف منسوب ہو (اتقان ج ۱ ص ۷۷ ملخصاً)

اس سے واضح ہوا کہ (۱) ہر ایسی قرأت جس کی روایت ائمہ سبعہ و عشرہ کے علاوہ سے ہو ضعیف و شاذ نہیں (۲) اور ہر وہ قرأت جو ائمہ سبعہ کی طرف منسوب ہو صحیح و متواتر نہیں۔ معیار قبول پر پوری اثر ناشرط ہے۔ — ہاں ائمہ سبعہ کی کثر قرائتیں متواتر ہیں بعض مشہور اور چند شاذ بھی ہیں۔ علمائے قرأت نے ان سب کی تحقیق و تنقیح کر دی ہے۔

اسی لئے ائمہ نے قراتوں کی پانچ قسمیں بتائی ہیں

اقسام قرأت

(۱) متواتر — جسے ہر دور میں ایسی جماعت اور ایسے لوگوں نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ٹھہرے۔ اکثر قرائتیں متواتر ہی ہیں

(۲) مشہور — جس کی سند صحیح، عربی زبان اور رسم مصحف کے موافق قرا کے نزدیک شہرت یافتہ ہو۔ مگر درجہ قرات کو نہ پہنچتی ہو۔ — اس کی مثال یہ قرائتیں ہیں جن کے ائمہ سبعہ سے منقول ہونے میں طرق مختلف ہوں کسی راوی نے ذکر کیا ہو کسی نے نہیں۔ — فروش حروف میں سی کی مثالیں بکثرت ہیں۔

اس بارے میں مشہور تصانیف یہ ہیں۔ تیسیر اللدانی قصیدۃ شطی

ادعية النشر في القراءات العشر لابن الجزري - تقريب النشر (۱)

(۳) آماد — جس کی سند صحیح ہو۔ مگر رسم مصحف یا زبان عربی کے معنی

ہو۔ یا اسے مشہور کی شہرت نصیب نہ ہو — اسی قرأت قابل تلاوت نہیں۔

(۴) شاذ — جس کی سند صحیح نہ ہو۔

(۵) موضوع — جو بالکل بے اصل، گڑھی ہوئی ہو۔

(۶) مدرج — علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا اضافہ کیا ہے اس

سے مراد وہ عبارت ہے جو درمیان تلاوت بطور تفسیر آگئی ہو۔

(الفان ج ۱ ص ۹، ملخصاً)

شیعہ اور قرآن!

مخالفین اسلام قرآن پر جہاں در بہت

سے بے جا اعتراضات کرتے ہیں وہیں اختلاف شیعہ کو بھی حجت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان ہی کی بے باکیوں، گستاخوں اور الزام تراشیوں نے منکرین اسلام کو قرآن کے خلاف نہ ہر افشانیوں کا حوصلہ دیا ہے۔ — اس لئے کہ ایک ذمہ دار اور منصف مزاج شخص کی طرح صبر کے ساتھ ان کی باتیں بھی ذکر کے ان کی ان پر پوری تنقید ضروری ہے۔

(۱) شیعوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر اس کام کی تحقیر کرتے ہیں جسے خلفائے ثلاثہ صدیق و فاروق و ذوالنورین یا ان صیباہ کرام نے انجام دیا ہو جن سے روایات کو دشمنی ہے۔ گزشتہ اوراق میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ صدیق اکبر کی قرآنی خدمت پر یہ ”بدعت“ کا الزام عائد کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ قرآن کو تحریف شدہ بھی کہتے ہیں۔ کلینی نے (جسے شیعوں میں وہ درجہ دیا جاتا ہے جو اہل سنت میں امام بخاری کو حاصل ہے) ابو عبد اللہ سے بروایت بشاش بن سالم نقل کیا ہے کہ جو قرآن حضرت جبریل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لائے اس میں شترہ ہزار آیتیں ہیں جب کہ اہل سنت کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ قرآن میں کل چھ ہزار چھ سو سولہ آیات ہیں۔

ان ہی سے محمد بن نصر کی روایت نقل کی ہے کہ سورہ لم یکن میں قریش کے

شرادیوں کے نام مع ولایت تھے۔ محمد بن جہم ہلالی وغیرہ کے واسطے سے ابو عبد اللہ سے یہ روایت کی ہے کہ "امۃ ہی اربی من امۃ" کلام اللہ نہیں۔ بلکہ اس کی جگہ ائمۃ ہی انرا کی من المتکم نازل ہوا ہے۔ ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی تصنیف کتاب اثبات لب میں لکھا ہے کہ "سورۃ الیولایۃ" پوری کی پوری قرآن سے حذف کر دی گئی اسی طرح سورۃ احزاب سے جامعین نے آنے اہل بیت کے فضائل ساقط کر دیئے۔ ورنہ یہ سورۃ النعم کے برابر تھی۔ یوں ہی لائحون ان اللہ معذرا بیکر غم نہ کرو، بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے) سے پہلے لفظ دیک (تمہیں خرابی ہو) تھا وہ ساقط کر دیا گیا۔ دفعوہم انہم مسئوون کے بعد عن ولایت علی تھا کفی اللہ المؤمنین القتال کے بعد بعلی بن ابی طالب تھا۔ وسیعلم الذین ظلموا کے بعد اہل محمدا تھا۔ سب حذف کر دیا گیا۔ سورۃ النہ نشرح میں وجعلنا علیہا صہوک (اور ہم نے علی کو تمہارا داماد کیا) تھا۔ جس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضرت علی کے داماد رسول ہونے کی تخصیص ہے۔ جس سے حضرت عثمان کے داماد رسول ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ مختلف مقامات)

مختصر تحفہ اثنا عشریہ (عربی) کے حاشیہ میں ہے — حسین بن محمد نوری طبرسی نامی ایک طاغوت روافض نے اس بارے میں "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" لکھی ہے۔ چو چار سو بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں روافض کے بڑے بڑے طاغوتوں سے تحریف قرآن کے دعوے پر سیکڑوں عبارتیں اور نقلیں درج ہیں۔ طبرسی ۷۹۲ھ میں "مشہد نجف علی" کے اندر اس کتاب کے گناہ تالیف کا مرتکب ہوا۔ ۷۹۵ھ میں یہ کتاب ایران سے شائع ہوئی۔ دارالفتح کی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ منافقین و فاضل

تقیۃ اس کتاب سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن اس اظہار برأت اور انکار تصنیف سے فائدہ کیا؟ جب کہ اپنی دوسری کتابوں میں اس موضوع پر عبارتوں اور نقلوں کے لوجہ ہزاروں سال سے لادے پھر رہے ہیں۔ — وہی سب اس کتاب میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ (ص ۳۰)

(۲) روافض قرآن کو اپنے ادلہ اربعہ (کتاب، خبر، اجماع، عقل) میں سے ایک مانتے ہیں۔ مگر اس قرآن کو تحریف شدہ بتاتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں موضوع (دگر ٹھی ہوئی) روایات پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ہو گیا پھر اس کے ناقابل اعتبار ہونے کی دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس قرآن کے ناقیلین بھی تو لورات و انجیل کے ناقیلین کی طرح تھے۔ کیوں کہ ان میں بعض تو منافق تھے، جیسا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض دین کے معاملہ میں مداہن، نرم اور چا پلوس تھے جیسے امام صحابہ جنہوں نے اکابر کی پیروی کی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ (۳) حد یہ ہے کہ خود بھی قرآن کا کوئی صحیح نسخہ پیش نہیں کرتے۔ بس یہ کہہ کر اپنے عوام تو سلی دیتے رہتے ہیں کہ صحیح قرآن امام غائب کے ساتھ آئے گا۔ گویا اس وقت پوری دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے سارے قرآن غلط اور ناقابل عمل ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام کا جمع کردہ مصحف غلط اور تحریف شدہ تھا تو شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے زمانہ خلافت میں صحیح قرآن کیوں نہیں پیش کیا۔ انہوں نے تو اسی قرآن کو صحیح مانا اسی کی تلاوت اور اسی پر عمل کیا۔ ان کے دور خلافت میں پوری دنیا اسلام کے اندر وہی مصحف پڑھا، لکھا، سنا، سنایا جاتا۔ اسی پر اعتماد اور اس پر عمل ہوتا۔ حضرت شیر خدا نے کبھی بھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے حضرت صدیق

اکبر اور حضرت عثمان ذوالنورین، دونوں حضرات کی بر ملا تائید کی۔ ان سے مروی حدیث گزر چکی فرماتے ہیں:-

اعظم الناس فی المصاحف
اجرا ابوبکر۔ رحمۃ اللہ علی ابی
بکر ہوا اول من جمع کتاب اللہ
ر رواہ ابن ابی داؤد وغیرہ بسند
حسن عن عبد خیر عن علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ)

اور فرماتے ہیں:-

لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فو
اللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف
الا عن ملا منا
(رواہ ابن ابی داؤد بسند صحیح عن
سوید بن غفلة عن علی المرتضیٰ کرم
اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم)

(۱) اب یہ "شیعان علی" ہی بتائیں کہ جب حضرت شیر خدا نے بھی کوئی دوسرا قرآن نہ پیش کیا، بلکہ مصحف عثمانی ہی کو صحیح و درست بتایا تو یہ (لوگ) ان کو کس "لقب" سے یاد کریں گے۔

(۲) روانض کا یہ عقیدہ خود اہل بیت کرام کے خلاف ہے۔ روایات شیعہ ہی سے ثابت ہے کہ تمام ائمہ اہل بیت اسی قرآن کی قرات فرماتے۔ اسی سے استدلال، اسی سے استشہاد علی کی تفسیر اور اسی پر عمل کرتے۔ امام حسن عسکری کی طرف منسوب تفسیر اسی

قرآن کی ہے۔ شیعوں سے اپنے بچوں۔ خادموں، گھروالوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور نماز میں اسی کی قراءت کرتے کرتے ہیں۔ اسی لئے تو ان کے شیخ ”ابن بابویہ“ نے اپنی کتاب عقائد میں اس عقیدہ تحریف کا انکار کر دیا، اور اس سے بیزاری ظاہر کی۔

(۳) ذرا غور کریں کہ اس قرآن کی تحریف کیوں کر ہو سکے گی۔ جسے ابتدائے نزول سے زمانہ تدوین تک بچے، بوڑھے، جوان سب پڑھتے پڑھاتے، سیکھتے، سکھاتے، حفظ کرتے اور حفظ کرتے رہے ہوں۔ ہزار ہا ہزار حفاظ بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں اہل بیت کرام بھی ہیں۔ شیعیان علی بھی اور مجتہدان اہل بیت بھی۔ کیا سب کے سب اپنی بصارت و بصیرت اور اسلامی ضمیر کو کچل کر قرآن کے معاملے میں اتنے بزدل، نرم، اور سہل بن جائیں گے کہ حفظ اور علم ہوتے ہوئے بھی تحریف شدہ قرآن قبول کر لیں گے؟ ایک ایسا قرآن جس کی ہزاروں غیر منسوخ آیات حذف کر دی گئی ہوں، اور کچھ کا کچھ بنادیا گیا ہو، جب کہ دین کے معاملہ میں ان کے تہذیب اور حق گوئی کی جرأت بے باک کا بے مثال نمونہ، اور شان دار رہنما کا رڈیہ تھا کہ فاروق اعظم جیسے صاحب بدبہ و حشمت خلیفہ کو بر منبر معمولی آدمی بھی ٹوک دیا کرتا پھر ان خلفائے برحق کا بھی عدیم المثال کردار یہ رہا ہے کہ قبول اصلاح سے انہیں کوئی ملال نہ ہوتا، بلکہ مسرت و خوشی ہوتی۔ اور اصلاح و تنقیہ سن کر پکار اٹھتے الحمد للہ الذی جعل فی المسلمین من یستأذنعو جاج عہد، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو کر دیا جو عمر کی کچی درست کرتے رہیں۔

کیا یہ کسی سلیم الخواص شخص کے قیاس میں آنے والی بات ہے کہ معمول لغزش و خطا پر تو صحابہ کی وہ شان دار جسارت اور تحریف قرآن جیسے جرم عظیم پر نہ بزدلی و مداہنت کی جنگ و حرب اور مقابلہ و مقابلہ تو کجا چون و چرا بھی نہ کریں۔ کہیں سے کوئی صدائے احتجاج اور آواز اصلاح و تردید بھی بلند نہ ہو؟ والعیاذ باللہ

(۴) اسلاف اسلام کے بارے میں منکرین اسلام نے بھی روافض جیسی بے
 اعتمادی کا اظہار نہ کیا۔ ایسے بے شمار غیر مسلم ہیں جو ”قرآن“ کو سچی کتاب اور
 پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کو قابل تقلید اور معیار صحت پر
 کامل مانتے ہیں۔ اور برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ صرف مسلمانوں کی
 خصوصیت ہے کہ ان کے دین کی اساسی کتابیں نہایت صحیح و مستحکم ہیں۔ ان کا قرآن
 بتواتر سہرمانے میں ایسے عادل و متقی حضرات کی جماعت کثیرہ سے نقل ہوا جن کا جھوٹ
 براتفاق محال ہے۔ احادیث کی تنقیح کے لئے انہوں نے پانچ لاکھ آدمیوں کے حالات
 جمع کر رکھے ہیں۔ اور ہر راوی کا حسن و قبح پوری صفائی سے بیان کر دیا ہے جس
 کی روشنی میں ہر حدیث کی صحت حسن، ضعف اور وضع کو باسانی جانچا اور پرکھا جا
 سکتا ہے۔ یاد رہے کہ منکرین اسلام اسی قرآن کو حق کہتے ہیں جسے روافض ”بیاض
 عثمانی“ بتاتے ہیں۔ اور یہ اُن ہی صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث و کتب رجال کو صحیح
 و مستند مانتے ہیں جنہیں روافض غیر مستند اور بالکل ساقطالا اعتبار گردانتے ہیں۔
 افسوس کہ منکرین اسلام تو ان ذخائر اسلامی کے محاسن کا اعلان کریں، صحابہ
 راویان حدیث کو معیار صحت و عدالت مانیں مگر یہ مدعیان اسلام — ابتداً اسلام
 سے لے کر اب تک قریناً چودہ سو برس کی پوری امت اسلامیہ کو منافق، مدابین اور
 خارج از اسلام قرار دیں۔ یہ اپنے ہی باطن کا منصفانہ جائزہ لیتے تو سمجھ میں آ جاتا کہ
 خلا اور کہیں نہیں بلکہ یہیں ہے۔

(۵) رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

لایاتہ الباطل من بین ید یہ	باطل کو اس کی طرف راہ نہیں
دلا من خلفہ تنزیل من حکیم	آمارا ہوا ہے حکمت والے ستودہ
حمید، (حم سجدہ پک ۲۷ ع ۱۹)	صفات کا۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له
لحافظون۔ (حجر پید ۱)

بے شک ہم نے آنا ہے یہ قرآن اور
بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔
وہ قرآن جس کا محافظ و نگہبان رب العالمین ہو بھلا اس میں کسی تحریف و تبدیل
کو راہ مل سکے گی؟ وہ قرآن جو قیامت تک کی پوری دنیا کے لئے ذریعہ رشد و
ہدایت بن کر نازل ہوا اگر وہی محض اور ناقابل اعتبار ہو جائے تو معاذ اللہ مقصود
تنزیل ہی فوت ہو جائے۔ یا للعجب! اگر قرآن کو زمانہ امام غائب رڈیٹھ دو
ہزار صدیوں تک ناقابل ہدایت و عمل ہی رہنا ہوتا تو پھر نازل ہی کیوں ہوتا؟ یا اگر
قرآن کی حفاظت و تبلیغ امام غائب ہی کا کام ہوتا تو وہ بھی قرآن کے ساتھ ہی تشریف
لاتے۔ تاکہ پوری امت اسلامیہ اپنے منبع ہدایت سے ہمکنار ہوتی اور ضلالت و
گمراہی سے مامون رہتی۔

(۶) رب العالمین ارشاد فرماتا ہے:-

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل
إلیک من ربک وان لم تفعل
فما بلغت رسالتہ
اے رسول! پہنچا دو جو کچھ اترا
مہمیں تمہارے رب کی طرف سے
اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی
پیام نہ پہنچایا۔

(مائدہ پ ۱۴)

یہ بتائیں کہ رسول اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے کار تبلیغ کی تکمیل فرمائی یا نہیں؟
اگر ان کی تبلیغ مکمل نہیں ہوئی تو یقیناً دین اسلام ابھی ناقص ہے، روافض بھی اپنے کو
دین اسلام کا متبع ضرور بتاتے ہیں تو یہ بھی ایک دین ناقص ہی کے متبع ٹھہرے
اور اگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ پوری ہو گئی تو اس کا مطلب یہ
ہے کہ قرآن کریم امت تک پہنچ چکا اس وقت کی امت کو بھی اور موجودہ امت کو
بھی۔ ورنہ وہ تبلیغ قرآن کیسی جو صرف چند آدمیوں یا چند برسوں تک محدود ہو۔

بتائیں کہ اس مبلغ سے فائدہ ہی کیا ہوا جب کہ قرآن آج تک اپنی اصل شکل میں دینا کے سامنے نہ آیا۔ اور پوری دنیا اگر اسی دھول مرکب میں مبتلا ایک دوسری کتاب کو قرآن سمجھے۔ عمل پیرا ہے۔

(۷) درحقیقت تحریف قرآن کا عقیدہ صحابہ کرام سے عناد کے نتیجے میں اختیار کیا گیا۔ شیعوں کا مطمح نظر یہ تھا کہ خلفائے ثلاثہ (صدیق، فاروق و ذوالنورین) اور صحابہ کرام کے کارناموں کا اعتراف نہ کیا جائے۔ اور ان پر دیگر الزامات کی طرح تحریف قرآن کے بھی پے درپے الزامات عائد کر کے ان کی عظیم اور قدآور شخصیتوں کو مجروح کر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن سے ثابت شدہ فضائل صحابہ اور اپنے مذہب کے خلاف تمام باتوں کا انکار کر دیا جائے۔ — مگر ہوا یہ کہ ان کی عظیم شخصیتوں پر تو کوئی حرف نہ آیا۔ ان کی اپنی ہی خیر نہ رہی۔ منکر اسلام تک نے ان بزرگوں پر اعتماد، اور ان کے ساتھ اپنے حسن عقیدت کا اظہار کیا۔ اور منکرین قرآن (روافض) پر پوری دنیا میں لعنت ہو رہی ہے۔

کچھ عقائد شیعہ علماء کو اس صورت حال کا احساس ہو گیا۔ اس لئے انہوں نے عقیدہ تحریف کا انکار کر دیا۔ اور اس سے اپنی برأت ظاہر کی۔ ابن بابویہ کے بارے میں گزر چکا کہ یہ شیعوں کے عقیدہ تحریف کا منکر تھا ابوعلی فضل طبرسی شیعہ نے کتاب "مجمع البیان فی تفسیر القرآن" میں اس عقیدے کا بھرپور رد کیا ہے۔ جو ان کی خبر گیری سے لئے کافی ہے لکھا ہے :-

قرآن میں کچھ اضافہ ہونے کا دعویٰ
اجماعی طور پر اور سب کے نزدیک
باطل ہے۔ رہا حذف و کمی کا دعویٰ تو
یہ ہمارے اصحاب شیعہ اور حشویہ عامہ

اما الزیادة فیہ لم جمع
علی بطلانہا، واما النقصان منه
فقدوری جماعۃ من اصحابنا و
قوم من حشویۃ العامۃ والصیح

خلافه وهو الذي نصره المرتضى
 واستوفى الكلام فيه غاية
 الاستيفاء في جواب مسائل
 الطر بسيات وذكر في مواضع
 أن العلم بصحة نقل القرآن
 كالعلم بالبلدان والحوادث
 الكبار والوقائع العظام والكتب
 المشهورة وأشعار العرب
 المسطورة - فأت العناية
 اشتدت، والدواعي توفرت
 على نقله وحراسته وبلغت
 إلى حد لم تبلغه فيما ذكرناه
 لأن القرآن معجزة النبوة و
 ماخذ العلوم الشرعية و
 الأحكام الدينية وعلماء
 المسلمين قد بلغوا في حفظه
 وحمايته الغاية حتى عرفوا
 كل شيء اختلف فيه من
 أعرابه وقراءته وحروفه
 وآياته فكيف يجوز أن يكون
 مغيرا أو منقوصا مع العناية

کی ایک جماعت سے منقول ہے مگر
 صحیح یہ ہے کہ قرآن میں حذف و کمی بھی نہ
 ہوئی۔ مرتضیٰ (مشہور و مستند شیعی عالم)
 نے اسی کی تائید کی ہے اور مسائل
 طر بسیات کے جواب میں اس پر بھرپور کلام
 کیا ہے اور متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے
 کہ نقل قرآن کی صحت اسی طرح یقینی
 ہے جیسے معروف شہروں (مکہ، مدینہ
 بغداد، لندن وغیرہ) کا ثبوت بڑے بڑے
 واقعات و حوادث و طوفان نوح و غیرہ
 کا ظہور، مشہور کتابوں اور عرب کے
 تحریر شدہ شعروں کا وجود یقینی ہے
 قرآن کے ساتھ اعتنا بہت زیادہ ہے
 کی نقل و حفاظت کے اسباب فراوان
 اور اس حد کو پہنچے ہوئے تھے جہاں
 تک مذکورہ چیزوں میں نہ تھے اس لئے
 کہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ
 و احکام دینیہ کا ماخذ ہے مسلمانوں کے
 علماء اس کی حفاظت و صیانت کی آخری
 حد کو پہنچے یہاں تک کہ اس کے احزاب
 قرأت حروف، آیات سب کے اختلافات

الصادقة والضبط الشديد
قال ايضا ان العلم بتفسير
القران وبالعاضه في صحة
نقله كالعلم بجملة وجري
ذلك مجرى ما علم ضرورة من
الكتب المصنفة ككتاب سيبويه
والمزني - فان اهل العناية
بهذا الشأن يعلمون من
تفصيلها ما يعلمونه من
جملة ما حتى لو أن مد تحلا
ادخل في كتاب سيبويه بابا في
النحو ليس من الكتاب لعرف و
علم وميزانه ملحق، وانه
ليس من اصل الكتاب. وكذا
القول في كتاب المزني. ومعلوم
ان العناية بنقل القران وضبطه
اضبط من العناية بضبط كتاب
سيبويه ودواوين الشعراء و
ذكر ان من خالف في ذلك من
الامامية والحشوية لا يعتد
بخلافهم فان الخلاف في ذلك

بھی دریافت کئے۔ مگر یہ کیونکر ممکن
ہے کہ اتنے پہ غلوں اہتمام اور ضبط
شدید کے باوجود قرآن میں کوئی تبدیلی
یا کمی واقع ہو۔ مرتضیٰ نے یہ بھی کہا ہے
کہ قرآن کی تفسیر اور اس کے اجزاء
کے نقل کی صحت بھی اسی طرح یقینی
ہے جس طرح مجموعہ کی صحت یقینی ہے
اور یہ ایسے ہی ہے جیسے تصنیف شدہ
کتا بول کے بارے میں ضروری طور پر
معلوم ہے مثلاً سبویہ اور مزنی کی کتاب
اس فن سے شغف رکھنے والے ان کی
تفصیلات بھی اسی طرح جانتے ہیں جیسے
مجموعہ کے متعلق جانتے ہیں یہاں تک کہ
سبویہ کی کتاب میں اگر کوئی شخص نحو کا کوئی ایسا باب
داخل کر دے جو دراصل کتاب کا نہ ہو
تو وہ دراصل شدہ باب پہچان میں آ
جائے گا۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ اس
کا وزن الحاقی ہے۔ اصل کتاب کا نہیں
یہی گفتگو کتاب المزنی کے متعلق بھی ہوگی۔ جب
ان سب کا یہ حال ہے تو قرآن کے
نقل و ضبط کا اہتمام تو سبویہ کی کتاب

اور شعرا کے دوا دین (شعری مجموعوں) کے ضبط و حفظ سے کہیں زیادہ ہے۔ مرتضیٰ نے یہ بھی ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کی جمع و تالیف اسی طرح تھی جیسے اب ہے۔

یہ بھی بتایا کہ امامیہ اور حشویہ کے جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس اختلاف کا اصل تعلق چند روایات حدیث سے ہے جنہوں نے ضعیف حدیثیں صحیح گمان کر کے نقل کر دیں۔ اس طرح کی چیزوں کے باعث یقینی اور قطعی نصیحت امر و قرآن کا ہر نقص و اضافہ سے محفوظ ہونا سے رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

مضات الی قوم من اصحاب الحد
نقلوا اخبارا ضعیفة ظنوا صحتها
لا يرجع بشئها عن المعلوم
المقطوع علی صحته۔

در جمع البیان فی تفسیر القرآن
از ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی

مشہدی معروث یہ طبرسی کبیر۔

۵۴۵ھ۔ الفہم الخامس فی اشیاء

من علوم القرآن۔ بلخصاص ج ۱ ص ۵

مطبوعہ کارخانہ کربلائی محمد قلی و کربلائی

محمد حسن تہران، ایران۔

..

..

..

..

اس حوالے سے چند امور معلوم ہوئے :-

۱۔ قرآن میں کسی اضافہ کا دعویٰ شیعہ و اہلسنت سب کے نزدیک (بالاجماع) باطل ہے۔

۲۔ شیعوں کے فرقہ امامیہ کا مذہب ہے کہ قرآن میں حذف و کمی ہوئی ہے۔

رہشویہ۔ (ظاہر نصوص پر عمل کرتے والے محدثین) کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ان کا تعلق صرف ان روایات کی نقل سے ہے جن میں کچھ ایسے

کلمات کا ذکر ہے جو قرآن میں نہیں۔ پہلے کسی نے انہیں جزو قرآن بتایا تھا مگر شاذ خلاف اجماع، یا قرآن کے دورہ اخیرہ میں منسوخ ہونے کے باعث وہ قرآن نہ ٹھہرے۔ یا ان کا ثبوت احاد سے اور غیر قطعی ہے۔ اس لئے ان کی کتابت و قراءت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہر حال مشنویہ ان کلمات کی قرآنیت اور قرن میں حذف و کمی کے قائل نہیں۔

۳۔ قرآن میں حذف و کمی کا دعویٰ بھی باطل ہے۔

۴۔ نقل قرآن کی صحت دیگر متواترات عالم کی طرح بالکل یقینی ہے۔

۵۔ قرآن کی حفاظت اور ضبط و صحت کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے۔ جو اس کی صحت اور حذف و اضافہ سے پاک ہونے کی کافی دلیل ہے۔

۶۔ قرآن میں کوئی حذف و اضافہ یا تبدیلی نہیں۔ یہی صحیح ہے۔ جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

ماخذ

- ۱۔ قرآن کریم۔
- ۲۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، ۱۳۴۰ھ امام احمد رضا قادری بریلوی
ولادت ۱۲۷۲ھ / وفات ۱۳۴۰ھ۔
- ۳۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری ۲۲۴ھ / ۳۱۰ھ
المطبعة الميمنية مصر ۱۳۳۱ھ
- ۴۔ مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی۔ ۵۴۴ھ / ۶۰۶ھ
المطبعة البهية مصر طبع اول ۱۳۵۳ھ
- ۵۔ کتاب التاویل فی معانی التنزیل علاء الدین علی بن محمد بغدادی معروف بہ خازن
۶۶۸ / ۴۱۱ھ مطبعة الاستقامة قاہرہ ۱۳۶۴ھ
- ۶۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی
۷۱۰ھ (برہامش خازن)
- ۷۔ الوکیل علی مدارک التنزیل۔ مولانا عبدالحق آبادی مہاجر مکی ۱۳۳۳ھ
اکلیل المطابع رستراہلیا، یوپی ۱۳۳۳ھ
- ۸۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی ۸۴۹ھ / ۹۱۱ھ
المطبعة الميمنية مصر ۱۳۱۲ھ
- ۹۔ روح البیان۔ علامہ اسماعیل حق۔ ۱۱۳۷ھ۔ المطبعة العثمانیہ۔ استنبول ترکی ۱۵۲۶ھ۔
- ۱۰۔ رسالہ تفسیر تقد جاءکم۔ ملا علی قاری بن سلطان محمد بروی۔ ۱۰۱۴ھ مصبوع مع اکلیل۔
- ۱۱۔ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی۔ ۱۳۶۷ھ

- ۱۲۔ تفسیر نعیمی اول مفتی احمد یار خان نعیمی ۱۳۶۲ھ/۱۳۹۱ھ مکتبہ الحبيب اللہ آباد
- ۱۳۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابو علی فضل بن حسن طبرسی شعی ۵۵۵ھ۔ دار الخلافہ تہران۔
- ۱۴۔ الاتقان فی علوم القرآن۔ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی۔ المطبعة المیمنہ مصر ۱۳۱۶ھ
- ۱۵۔ تیسیر الطبع فی اجرام المبع مولانا قاری محمد حسین اشرفی مالیکانوی۔ رحیمی پریس ممبئی ۱۳۹۱ھ
- ۱۶۔ مسند امام احمد بن حنبل شیبانی۔ ۱۰۷۴ھ/۱۲۲۱ھ۔ المطبعة الحیدریہ ممبئی ۱۳۰۹ھ
- ۱۷۔ صحیح بخاری ابو عبد اللہ بن محمد اسماعیل بخاری۔ ۱۰۲۵ھ/۱۰۵۶ھ۔ اصح المطابع دہلی۔
- ۱۸۔ صحیح مسلم ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری۔ ۲۰۴ھ/۲۶۱ھ۔ اصح المطابع دہلی ۱۳۲۹ھ
- ۱۹۔ جامع ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ ۲۰۹ھ/۲۷۹ھ۔ مطبع مجتبیٰ دہلی۔
- ۲۰۔ سنن ابوداؤد۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی۔ ولادت ۲۰۷ھ/وفات ۲۷۹ھ
- المطبعة النازیہ مصر ۱۳۲۸ھ
- ۲۱۔ سنن نسائی (المجتبیٰ) ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی۔ ۲۱۵ھ/۳۰۳ھ مجتبیٰ دہلی ۱۳۳۵ھ
- ۲۲۔ سنن ابن ماجہ۔ ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی۔ ۲۰۹ھ/۲۷۳ھ
- مطبع نظامی دہلی ۱۳۲۲ھ
- ۲۳۔ مشکل الآثار۔ امام طحاوی ابو جعفر احمد بن محمد بن سلام ازوی مصری حنفی۔ ۲۱۱ھ/۲۷۹ھ
- دائرة المعارف النظامیہ۔ حیدرآباد۔ طبع اول ۱۳۳۳ھ
- ۲۴۔ المستدرک علی الصحیحین۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ عاکم نیشاپوری۔ ۲۲۱ھ/۲۷۵ھ
- دائرة المعارف حیدرآباد ۱۳۳۱ھ
- ۲۵۔ الترغیب والترہیب۔ زک الدین عبد العظیم بن عبد القوی متذری۔ ۵۸۱ھ/۶۵۶ھ
- مکتبہ الجمهوریۃ العتیہ مصر ۱۳۲۹ھ
- ۲۶۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خلیفہ تبریزی تالیف ۷۳۷ھ
- اصح المطابع دہلی۔

۲۷۔ کنز العمال وسنن الاقوال والافعال ترتيب ابوالی لکنتب جلال الدین السیوطی۔
الجامع الصغیر ذائدہ علاؤ اللہ علی المتقی

بن حسام الدین ہندی برہان پوری۔ ۹۷۵ھ۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۱۲ھ
۲۸۔ المنہاج شرح مسلم البوزکریا بحی بن شرف نووی۔ ۷۳۱/۷۷۷ھ۔ صح المطابع دہلی
۲۹۔ فتح الباری شرح بخاری۔ ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی۔ ۷۷۳/۸۵۲ھ

المطبعة الکبری المیریہ۔ بولاق۔ مصر۔ طبع اول ۱۳۱۲ھ

۳۰۔ عمدۃ القاری شرح بخاری۔ بدرالدین محمود بن احمد عینی ۷۶۲/۸۵۵ھ۔ ادارۃ الطب المیریہ
۳۱۔ ارشاد الباری شرح بخاری۔ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی۔ ۷۷۳/۸۵۲ھ

مطبع نول کشور کانپور ۱۲۸۵ھ

۳۲۔ مرتاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح۔ ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی۔ ۱۰۱۲ھ

صح المطابع بمبئی

۳۳۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸/۱۰۵۲ھ

مطبع نیکیار لکھنؤ۔ طبع نہم ۱۹۷۳ء

۳۴۔ مدارج النبوة۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸/۱۰۵۲ھ۔ مطبع نول کشور لکھنؤ

طبع سوم ۱۹۱۲ء

۳۵۔ شرح شفا۔ ملا علی قاری ہروی ۱۰۱۲ھ۔ المطبعة العثمانیہ استنبول ترکی ۱۳۱۹ھ

۳۶۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ معروف بہ ابن

عبد البر قرطبی۔ ۳۲۸/۴۶۳ھ۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد۔ طبع دوم ۱۳۳۶ھ

۳۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ ابوالفضل احمد بن علی الشہیر بابن حجر عسقلانی۔ ۷۷۳/۸۵۲ھ

مطبع سعادت مصر۔ طبع اول ۱۳۲۸ھ

۳۸۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ ابن اثیر علی بن جوزی۔ ۵۵۵/۶۳۰ھ۔ الشعب قاہرہ ۱۳۹۰ھ

۳۹۔ اکمال فی اسماء الرجال۔ صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی۔ تالیف ۱۳۵۷ھ (مطبوعہ مشکوٰۃ)

۴۰۔ مفتاح السعاده و مصباح الیاده فی موضوعات العلوم۔ احمد بن مصطفیٰ طاسکری زاد

۱۳۵۴ھ دارالکتب الحدیثہ قاہرہ۔ ۱۹۷۸ء مطبوعۃ الاستقلال قاہرہ

۴۱۔ الدر المختار فی شرح تنویر الابصار۔ غلام الدین محمد بن علی حصکفی۔ ۱۰۸۸ھ/۱۰۲۵ھ

نول کشور لاہور ۱۳۰۵ھ

۴۲۔ العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ ج ۲۔ امام احمد رضا قادری بریلوی مکتب خاں

سمانی میرٹھ ۱۳۸۷ھ

۴۳۔ جمع القرآن و ہم عز و ہ عثمان (۱۳۲۲ھ) امام احمد رضا بریلوی۔ انجمن طبائے

فیض الرسول براؤن شریف ۱۳۹۸ھ

۴۴۔ مسلم الثبوت علامہ محب الدین عبد الشکور بہاری۔ ۱۱۹۱ھ/مطبوعہ مجیدی کانیپور

۴۵۔ فوائج الحموت شرح مسلم الثبوت۔ بحر العلوم مولانا عبد العلی قرنگی محل ۱۱۴۴ھ/۱۲۳۵ھ

نول کشور لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

۴۶۔ نور الانوار فی شرح المنار شیخ احمد معروف بہ طاجیون علیہ الرحمہ۔ ۱۲۴۸ھ/۱۱۳۰ھ

مطبوعہ مجیدی کانیپور ۱۳۷۳ھ

۴۷۔ تحفۃ اثنا عشریہ (فارسی) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ ۱۱۵۹ھ/۱۲۳۹ھ مطبوعہ حنی علی شاہ

۴۸۔ مختصر تحفۃ اثنا عشریہ (عربی ترجمہ) علامہ محمد بن محی الدین اسمی بکنتہ الشیق۔ استنبول ترکی ۱۳۹۶ھ

۴۹۔ شرح کافیہ شیخ رضی۔ محمد بن حسن استرآبادی۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

۵۰۔ دائرۃ معارف القرن العشرين۔ محمد فرید وجدی۔ دار العرفۃ بیروت۔ لبنان طبع سوم ۱۳۹۱ھ

۵۱۔ شرح الصدور فی احوال الموتی والقیور جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی۔ ۱۱۱۱ھ

مطبوعہ مصر

۲۲۲
وِشاحُ الْجَيْدِ فِي تَحْلِيلِ مُعَالَفَةِ الْعِيدِ

۱۳

۵

۱۲

المعروف

مُعَالَفَةُ الْعِيدِ

تَصْنِيفُ

الْعَلَمَةُ شَامِ الْإِسْلَامِ

أحمد رضا خان

بِرِجَالِ رَحْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِ

تَوْثِيقٌ وَتَحْشِيدٌ

مَوْلَانَا مُحَمَّدُ أَحْمَدُ عَظِيمِي مَرْصُوبِي

نَاشِرُ

ادارة تصنیفات امام احمد رضا

انوند مسجد نیونہام روڈ کھارادر کراچی ۲

زیر طبع کتب

- (۱) فقیہ اسلام : ڈاکٹر حسن رضا خان
- (۲) تعارف امام احمد رضا : از صوفی محمد اکرم
- (۳) عورتوں کی مزارات پر حاضری : از اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ
- (۴) سوانح امام احمد رضا : از مولانا بدرالدین قادری
- (۵) فتاویٰ مصطفویہ (حصہ دوم) از مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ
- (۶) سیاہ خضاب حرام ہے : از اعلیٰ حضرت بریلوی

ادارہ تصنیفات امام احمد رضا راجی

25

العَصَا يَا الرِّضْوِيَّ فِي الْمَسَائِلِ الشَّرْعِيَّةِ

زیر طبع

فقیر اسلام

ڈاکٹر حسن رضا عظمیٰ ایم ایس پی ایچ۔ ڈی

ادارہ تصنیفات امام احمد رضاؒ کراچی

العَصَا يَا الرِّضْوِيَّ فِي الْمَسَائِلِ الشَّرْعِيَّةِ

زیر طبع

فقہ اسلام

ڈاکٹر حسن رضا عظمیٰ ایم ایس پی ایچ پی ایچ ڈی

ادارہ تصنیفات امام احمد رضاؒ کراچی

ندوین قرآن

مولانا محسن عظیم مصباحی

103

ادارہ تصنیفات امام احمد رضاؒ کراچی